اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوۃ الحق

فون نمبر: دارالعلوم ۴ — قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار — فون نمبر: رہائش ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۲۰ — ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

شمارہ نمبر : ۳ — دسمبر ۱۹۸۴ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ /۴۰ روپے۔ فی پرچہ چار روپے

بیرون ملک بحری ڈاک چھ پونڈ ہوائی ڈاک دس پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

انقلاب اور خمینی صاحب کے نظریات کے بارہ میں پچھلے کئی شماروں میں اظہارِ خیال کیا گیا ہے اس موضوع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے اپنے ایک حالیہ مقالہ میں بڑی معتدلانہ اور مؤثر انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اس مقالہ کے اختتامیہ کو الحق کے افتتاحیہ میں پیش کیا جا رہا ہے جس سے ہمارے خیالات کی تائید اور ترجمانی ہوتی ہے۔ (سمیع الحق)

پچھلے برسوں میں جب آیت اللہ روح اللہ خمینی صاحب نے اسلامی انقلاب کی دعوت دی اور "پہلوی" سلطنت کا تختہ الٹ کر (بقول خود) حکومتِ اسلامیہ قائم کی اور ایک نئے دور کا آغاز کیا اس کی پوری توقع تھی (اور اس کے پورے آثار و قرائن موجود تھے) کہ وہ اپنی دعوت کو عام کرنے اور اس کو مقبول بنانے کے لئے شیعہ سنی اختلاف کی قدیم و مسلسل تاریخ کا یہ نزاعی ورق نہ کھولیں گے۔ اور اگر اس کو کتاب سے جدا نہیں کر سکتے تو کم سے کم اس کو الٹیں گے نہیں، اور اگر فرقۂ امامیہ کے ان عقائد سے وہ کسی سیاسی یا مقامی مصلحت سے برأت کا اعلان نہیں کر سکتے تو کم سے کم ان کا اظہار و اعلان نہ کریں گے، بلکہ ان جیسے جری سربکف دینی پیشوا سے (جس نے اپنی بے خوفی، عواقب و نتائج سے بے پرواہی اور آتش بیانی سے اس سلطنت پہلوی کا تختہ الٹ دیا، جس کی فوجی طاقت اور اپنی بقا و استحکام کے لئے وسیع انتظامات دنیا کو معلوم ہیں) امید تھی کہ وہ اخلاقی جرأت اور اتحاد مسلمین کی خاطر اور اپنے گہرے فکر و مطالعہ کی بنیاد پر یہ اعلان کر دے گا کہ یہ عقائد جو اسلام کی بنیاد پر تیشہ چلاتے ہیں، اور اس کو دنیا میں بدنام اور بے اعتبار کرتے ہیں، اور جو غیر مسلمین کو دعوت دینے کے راستہ میں سنگ گراں ہیں۔[1] اور جو قرنِ اول اور صحابہؓ کے عہد کی ایک دشمنِ اسلام چالاک سازش کے نتیجہ میں اور صدیوں کی قائم شدہ ایرانی شہنشاہی کے زوال کے انتقام کے جذبہ سے بروئے کار آئے تھے، اب ان کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش، ہم کو اسلام کا اقتدار قائم کرنے، ممالکِ اسلامیہ کی اصلاح اور مسلم معاشرہ سے فساد دور کرنے کے لئے اب ماضی کو بھول جانا چاہئے اور ایک نئے سفر کا آغاز کرنا چاہئے جس میں اسلام کی ماضی و حال کی تابناک تصویر دنیا کے سامنے آئے، اور دنیا کی دوسری قومیں اسلام کیطرف مائل ہوں

ص[1] اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے۔

لیکن توقعات اور آثار و قرائن کے بالکل برعکس ان کے قلم کی خود وہ تحریریں اور رسائل اور کتابیں سامنے آئیں جن میں انہوں نے پوری صفائی اور طاقت کے ساتھ انہیں شیعی عقائد کا اظہار کیا ہے، ان کی کتاب "الحکومۃ الإسلامیۃ، ولایۃ الفقیہ" میں امامت اور ائمہ کے بارے میں وہی خیالات ظاہر کئے گئے ہیں، جو ان کو مقام الوہیت تک پہنچاتے ہیں، اور ان کو ہر نبی و ملک سے افضل ثابت کرتے ہیں اور یہ کہ کائنات تکوینی طور پر ان کے تابع فرمان اور زیر اقتدار ہے۔ اسی طرح انکی فارسی کتاب کشف الاسرار میں صحابۂ رسول بالخصوص خلفائے ثلاثہ کے متعلق جرح و تنقید ہی نہیں سب و شتم کے وہ الفاظ آئے ہیں، جو کسی بڑی سے بڑی ضال و مضل، فاسق و فاجر، زائغ و مزیغ، اور سازشی جماعت کے لئے آسکتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں ان کی دعوت کے ساتھ چل رہی ہیں اور یہ کوئی خفیہ ہدایات یا پرائیویٹ خطوط کی شکل میں نہیں ہیں، مطبوعہ اور شائع شدہ رسائل کی شکل میں ہیں۔

خمینی صاحب کی یہ دونوں چیزیں (امامت اور ائمہ کے بارے میں خیال اور صحابہؓ پر طعن والزام) کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی، یہ رسائل ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ایران اور ایران سے باہر پھیل چکے ہیں اس بنا پر اس بات کی پوری توقع تھی کہ عقیدہ و بنیاد کے اس اختلاف، امت کے بنیادی عقیدۂ توحید میں رخنہ اندازی "مشارکت فی النبوۃ" (جو امامت کی تعریف اور ائمہ کے اوصاف کا لازمی و منطقی نتیجہ ہے۔) اور صحابۂ کرامؓ کی شخصیتوں پر جو مسلمانوں کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ قابل احترام اور قابل محبت شخصیتیں ہیں اور جن کا دور تاریخ اسلام ہی میں نہیں تاریخ انسانی میں (مستند تاریخ کی روشنی میں اور مسلم و غیر مسلم مؤرخین کی متفقہ شہادت کے مطابق) دنیا کا معیاری و مثالی دور حکومت اور نمونۂ زندگی تھا طعن و تشنیع کے بعد کم سے کم اس حلقہ میں جو سنی العقیدہ ہے۔ (اور وہی مسلمانوں میں اکثریت کی حیثیت

حاشیہ صہ ۲ :- اس لئے کہ ان کا ماحصل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی اس جماعت میں جسکی تعداد صرف حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے، اپنے پیغمبر کی آنکھ بند ہونے کے بعد صرف چار آدمی اسلام پر قائم رہے، باقی سب نے معاذ اللہ ارتداد کا راستہ اختیار کیا، قرآن مجید سرتا پا محرف و تبدیل شدہ ہے۔ ائمہ اہل بیت (از روئے تقیہ جو دینی فریضہ اور عزیمت ہے) حق کو چھپانے والے، اصل قرآن کو پوشیدہ رکھنے والے، ہر خطرہ و اندیشہ سے دور رہنے والے اور اپنے متبعین کو اسی کی تلقین کرنے والے تھے۔ (ملاحظہ ہو فرقہ اثنا عشریہ کی معتبر کتابیں، اصول کافی، فصل الخطاب، اور خود علامہ خمینی کی تصانیف کشف الاسرار وغیرہ یا کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی)

رکھتا ہے۔) ان کی دعوت مقبول نہیں ہوگی اور ان کو اسلامی انقلاب کا علمبردار، حکومت اسلامی کا مؤسس و بانی، اور مثالی رہنما و قائد نہیں سمجھا جائے گا، لیکن یہ دیکھ کر صدمہ بھی ہوا اور حیرت بھی کہ بعض ایسے حلقوں میں جو فکر اسلامی کے علمبردار اور اسلام کے عروج و غلبہ کے داعی و متمنی ہیں، ان کو ایک "امام منتظر" کی حیثیت دی گئی، اور ان سے ایسی عقیدت و محبت کا اظہار کیا گیا، جو اُس عصبیت کی حد تک پہنچ گئی ہے، جو تنقید کا ایک لفظ سننے کی روادار نہیں ہوتی۔

آیت اللہ خمینی صاحب کی اس کامیابی سے جو ان کو رضا شاہ پہلوی کی حکومت کے مقابلہ میں حاصل ہوئی اور اس انقلاب سے جو ایک مخصوص شکل میں ایران کے معاشرہ میں رونما ہوا، نیز بعض مرحلوں پر دنیا کی عظیم ترین طاقت امریکہ کی ناکامی، ایرانی نوجوانوں کے جذبۂ قربانی اور اسی کے ساتھ متعدد مسلم و عرب ممالک کی دینی و اخلاقی کمزوریوں و خامیوں اور وہاں کی ناپسندیدہ صورت حال سے برّصغیر کے مسلمان نوجوانوں کے ایک بڑے حلقہ میں جو موجودہ حالات سے بیزار تھا، اور جو ہر اُس حوصلہ مندی اور مہم جوئی سے مسحور ہوتا ہے جس میں اسلام کا نام شامل ہو جائے، خمینی صاحب اس طرح مقبول ہو رہے ہیں جیسے کسی زمانہ میں ہندوستان میں کمال اتاترک اور عرب قوم پرستوں کے حلقہ میں جمال عبدالناصر تھے اور اب بھی بعض حلقوں میں بعض ایسے سربراہان مملکت مقبول و محبوب ہیں جو کھلے طریقہ پر منکر سنّت، حدیث کا مذاق اڑانے والے، مغربی تہذیب کے رائج کرنے والے اور کمیونسٹ خیالات کے ہیں، مذہبی رنگ و آہنگ کے شامل ہو جانے کی وجہ سے خمینی صاحب ان سے زیادہ مقبول ہو رہے ہیں اور یہ بات اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی عقیدہ کا سوال اٹھائے اور کتاب و سنت، اجماع امت کے زاویۂ نگاہ سے بحث کرے اور اس معیار سے اس کو جانچنے کی کوشش کرے تو ان حضرات کے لئے اس کا سننا بھی دشوار ہے۔ اور ناپسندیدگی و برہمی اشتعال و ابتذال کی حد تک پہنچ جاتی ہے، یہ وہ صورت حال ہے جو اس دین کے مستقبل اور روح اسلام کے نقطۂ نظر سے سخت تشویشناک ہے اور حضرت علیؓ کے اس بلیغ فقرہ کی تشریح و تصدیق "اتباع کل ناعق" (ہر زور سے بولنے والے کے پیچھے لگ جانے والے)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ۔

بیابہ مجلس شیخ الحدیث — ضبط و ترتیب :- مولانا عبد القیوم حقانی

صحبتے با اہلِ حق

—— شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب کی مجلس میں

ماءِ زمزم کی برکات

۱۸ر اکتوبر ۱۹۸۴ء ایک حاجی صاحب نے حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں آبِ زمزم پیش کیا۔ ارشاد فرمایا: یہ بہت بڑی نعمت اور اکرام ہے۔ دل سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ اس کے بدلے جنت الفردوس عطا فرمائے۔ اور درجات عالیہ نصیب کرے۔ عام طور پر جب زمزم کا پانی میسر ہوتا ہے تو سحری کے وقت اس کو استعمال کرتا ہوں اس میں مائیت بھی ہے غذائیت بھی ہے اور شفائیت بھی۔

مائیت تو ظاہر ہے کہ پانی ہے رطوبت اور برودت اس کی طبیعت ہے پیاس بھی اس سے رفع ہوتی ہے۔

اس کی غذائیت کے لئے سب سے بڑی حجت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ماءِ زمزم کے کنوئیں پہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو چھوڑا تھا۔ جو ایک عرصہ تک زمزم کے پانی اور شکار کے گوشت پر اکتفا کرتے رہے۔ دس بارہ سال حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ نے اس پانی پر اکتفا کر کے زندگی بسر کی اور زندہ رہے۔

حضرت امداد اللہؒ مہاجر مکیؒ کا واقعہ

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں عسر اور فقر کی وجہ سے سخت غربت اور فقیری کا دور ہم پر آیا۔ کچھ کھانے کو پاس نہ تھا ہم بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے کہ ایک رفیق سے دو روپے قرض طلب کئے۔ اس نے انکار کر دیا۔ تو میں سمجھ گیا کہ اللہ پاک مکہ معظمہ میں ہمیں بھوکا رکھ کر امتحان لینا چاہتے ہیں۔ اور اللہ کو یہی منظور ہے کہ ہم یہاں فاقہ کی حالت میں صبر و شکر کا مظاہرہ کریں۔ ایک طویل عرصہ تک کھانے کو کچھ میسر نہ ہوا اور زمزم کا پانی پی لیتے اور اسی پر زندگی بسر کرتے۔

ایک شب خواب دیکھا کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے مطبخ کی چابی عنایت فرمائی۔ میں سمجھ گیا کہ اب انشاء اللہ فقر اور غربت کا دور ختم ہونے والا ہے اور اللہ پاک یُسر فرمائیں گے۔ میں اسی تعبیر میں سوچ رہا تھا۔ یہ وقت سحری کا تھا کہ ہمارے دروازہ پہ دستک ہوئی۔ جب دروازہ کھولا تو ایک صاحب نے ایک ہمیانی جس میں ہزار اشرفیاں تھیں بطور ہدیہ پیش کیں۔ اس طرح اللہ پاک نے عسر کو یسر سے بدل دیا۔

شفائیت کے لئے حضرت شیخ مدنیؒ نے ہمیں مظفر نگر کے ایک ڈاکٹر کا واقعہ[1] بیان فرمایا تھا

---

[1] جس کا ذکر گذشتہ الحق (نومبر) کی "صحبتے با اہلِ حق" میں آچکا ہے۔

حاجی نمائندہ ہوتا ہے | اکوڑہ کے چند حجاج کرام جو اس سال شرف حج کی سعادت سے بہرہ ور ہو چکے تھے حاضر خدمت ہوئے۔

ارشاد فرمایا۔ میری اپنی تمنا تھی کہ آپ جو مبارک اور مقدس مقام سے تشریف لائے ہیں خود حاضر خدمت ہوتا مگر افسوس کہ بیماری اور معذوری سے کہیں آنے جانے کا نہیں رہا۔ اب بھی دو آدمی اٹھاتے بٹھاتے اور گھر سے مسجد تک لے آتے ہیں یا دارالعلوم تک چلا جاتا ہوں۔ بہرحال آپ حضرات نے بڑی مہربانی فرمائی۔

اس دفعہ اللہ پاک نے ہمارے گاؤں (اکوڑہ خٹک) پر خاص احسان فرمایا کہ یہاں سے سفر حج پر جانے والے اور حج مبارک کی سعادت حاصل کرنے والوں کی مجموعی تعداد باسٹھ ۶۲ تھی۔ بادشاہ کے دربار میں ایک نمائندہ بھی کافی ہوتا ہے مگر جب ہمارے اس چھوٹے سے قصبہ میں اللہ پاک نے باسٹھ نمائندوں کو باریابی کا شرف عطا فرمایا۔ تو یہ ہمارے گاؤں اور ہمارے لئے بہت بڑی عزت اور خوش نصیبی ہے۔

خدمت والدین دعاؤں کا خزانہ | لوگوں کو علم نہیں کہ والدہ کی خدمت اور والدین کی عزت میں اللہ نے کتنی برکتیں رکھی ہیں۔ لوگ دعاؤں کی مقبولیت کی غرض سے قبروں پر جاتے ہیں، طواف کرتے ہیں۔ شرکیہ افعال کا ارتکاب کرتے ہیں حالانکہ مقبول دعاؤں کا خزانہ والدہ کی صورت میں ان کے گھر میں موجود ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جایا کرتے، شاہی اور خدائی دربار کے آداب کا حقہ بجالانا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ آپ کے ساتھ مراعات برتی جاتیں۔ ایک روز جب ملاقات کے لئے جا رہے تھے تو حضرت جبرئیل نے فرمایا۔ موسیٰ۔ اب جب کوہ طور پر اللہ کی ملاقات کے لئے حاضری ہو تو سنبھل کر آنا۔ اور آداب ملحوظ رکھنا ۔۔۔ حضرت موسیٰ اس تنبیہ پر چونک پڑے۔ اور حیران ہو گئے کیونکہ اس سے قبل ایسی کوئی تنبیہ نہیں کی گئی تھی۔ گھبرا گئے شاید کوئی خطا سرزد ہوئی ہے۔ جبرئیل نے بتایا کوئی غلطی اور خطا سرزد نہیں ہوئی بلکہ پہلے جب آپ آیا کرتے تھے تو والدہ حیات تھیں وہ آپ کے حق میں دعا گو رہتیں۔ ان کی دعاؤں کے صدقے آپ کو رعائتیں حاصل تھیں۔ اب والدہ وفات پاگئیں اور دعاؤں کا وہ خاص سرچشمہ بند ہو گیا ہے۔ اس لئے محتاط رہنے اور آداب دربار خداوندی کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کر دی گئی ہے۔

اکابر علم کی جدائی، قحط الرجال | ۳ نومبر ۱۹۸۴ء۔ ظہر کے وقت ملتان سے مولانا سید ابوذر عطاء المنعم بخاری صاحب جو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں تشریف لائے۔ عصر کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ان کی مسجد میں ملاقات ہوئی۔ عرض کیا! حضرت!! اب تو آپ ہی پر نظر پڑتی ہے اکابر چلے گئے ہیں آپ کی خیریت اور زیارت سے تسلی ہو جاتی ہے اس لئے حاضر ہوتا ہوں۔

حضرت شیخ نے فرمایا۔ یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ واقعۃً اکابر رخصت ہو چکے ہیں۔ اب ہمارے فضلاء اور بعض مخلصین

کہتے ہیں کہ دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ جلسہ پر دستار بندی کراؤ۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر ان حضرات کا مطالبہ مان بھی لیا جائے تو جلسہ پر بلاؤں کس کو؟ کوئی رہا ہی نہیں۔ جو تھے وہ چلے گئے۔

حقائق السنن ان کی خدمت میں حقائق السنن شرح ترمذی کا ایک نسخہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے پیش کرتے ہوئے فرمایا اس لحاظ سے کہ یہ کتاب حدیث کی شرح ہے اس میں اصل متن ہے تو لاریب کتاب عظیم الشان ہے شرح اور تفصیل کے لحاظ سے کتاب کی نسبت مجھ گناہ گار سے ہے جب کہ ہر لحاظ سے میں کمزور اور ضعیف ہوں یہ تو حضرت شیخ مدنیؒ کے کچھ ملفوظات ہیں جو میں نے ٹوٹے پھوٹے یاد کئے تھے جنہیں اب ان لوگوں نے مرتب کر لیا ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے اور ہماری غلطیوں کو معاف کر دے۔

تحصیل علم میں بدنی و مالی ایثار ۱۱ نومبر ۱۹۰۴ء بلوچستان سے آتے ہوئے دارالعلوم اسلامیہ کے مہتمم (مولانا غامد صاحبؒ) اور دیگر کئی مہمانوں نے حضرت مدظلہ کو گھیر رکھا تھا۔ حاضر خدمت ہوا۔

تو ارشاد فرما رہے تھے کہ مجھے اس طالب علم کی بات بے حد پسند آئی جس سے ایک مرتبہ میں نے دارالعلوم دیوبند میں دریافت کیا، کہ آپ مطبخ کا کھانا کیوں نہیں لیتے جب کہ دارالعلوم نے ہر داخل طالب علم کو کھانا دینے کی ذمہ داری بھی لی ہے۔ کہنے لگا، طعام قیمتی نہیں جتنا کہ جسم قیمتی ہے۔ طعام سے زیادہ بدن کو اہمیت ہے جب ہم نے بدن اور اپنی خواہشات اور عیش و آرام کی قربانی دی ہے تو مالی قربانی اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں جس طرح بدنی قربانی کرکے آیا ہوں تو جسم سے حد درجہ کم تر چیز کا ایثار، کہ دارالعلوم کا کھانا کسی دوسرے مسکین طالب علم کے کام آجائے۔ اور میں اپنے مال سے کھانا کھا لوں۔ بہت آسان ہے اور میں اس پر عمل پیرا ہوں اسی کی برکت تھی کہ وہ امتحانات میں درجہ اول میں کامیاب ہوتا تھا۔ اور اس کے نمبرات تمام ساتھیوں سے بہتر ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی تواضع اور احترام ابوبکرؓ ۲۰ نومبر۔ حقائق السنن جلد دوم کا مسودہ باب ما جاء فی الرخصۃ فی السمر بعد العشاء کی مرتب کردہ بحث سنا رہا تھا جب "یسمر مع ابی بکر فی الامر" عبارت حدیث سنی تو ارشاد فرمایا۔ ہاں

حضرت عمر فاروقؓ کی تواضع اور ادب کی ایک جھلک بھی اس حدیث سے امت کے سامنے آجاتی ہے۔
دیکھئے حضرت عمرؓ روایت کر رہے ہیں کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسمر مع ابی بکر فی الامر من امر المسلمین وانا معہما
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے معاملات میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ عشاء کے بعد گفتگو کرتے تھے میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ملائکہ میں میرے دو وزیر ہیں میکائیل اور جبرئیل۔ اسی طرح

زمین پر بھی بنی نوع انسان میں میرے دو وزیر ہیں۔ ایک حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور دوسرے حضرت عمر فاروق رضؓ۔
علی العموم ہوتا یہ تھا کہ امور مسلمین اور اہم تبلیغی ملکی و ملی مسائل میں آنحضرتؐ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ دونوں کو مشاورت میں ساتھ رکھتے تھے۔ حقیقت واقعہ کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت عمر فرماتے

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسمر معنا　　حضور اقدس ہم دونوں سے مشاورت کرتے تھے۔

لیکن اس میں چونکہ ایک گونہ اپنی خودستائی اور بڑائی کا اظہار تھا۔ گویا میں بھی کچھ ہوں اور میری بھی کوئی حیثیت ہے کہ حضورؐ مجھے بھی اپنے مشورہ میں شریک رکھتے تھے۔ اس میں ایک قسم اپنی اہلیت مشورہ کا اظہار تھا اس لئے حضرت عمر رضؓ نے یہ انداز ترک فرمایا — خود کو درگاہ نبویؐ کا ادنیٰ خادم ظاہر کیا۔ اور اس جانب اشارہ کر دیا کہ اصلاً تو مشورہ کے لائق اور اہل حضرت ابوبکر صدیق ہی ہیں جن کو حضورؐ باقاعدہ طور پر مشورہ میں شریک رکھتے تھے۔ میں تو ایک ادنیٰ خادم کے طور پر اس محفل میں شریک رہتا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے دل میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی بہت زیادہ اور بے پناہ احترام اور عظمت تھی۔ اور ادب کا یہ عالم تھا کہ ان کو مقدم رکھا۔ اور خود کو ان سے کم ظاہر کیا۔ اور حضرت [illegible] کے ساتھ اس خاص اور اہم فضیلت میں برابری کے دعوے کے ایہام تک سے گریز کیا۔
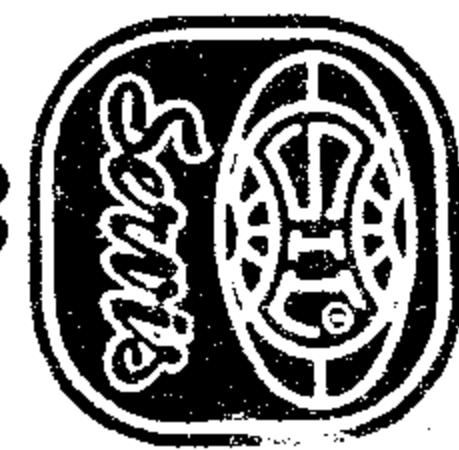
صنعاء یونیورسٹی (یمن) میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کا خطاب

ترجمہ : عبداللہ الحسنی

ایٹمی قوت سے بھی عظیم قوت

ــــــــ جس سے فائدہ نہیں اٹھایا جارہا

۱۴ شعبان ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۸۴ء کو صنعاء یونیورسٹی میں طلبہ اور تعلیم یافتہ طبقہ جو کثیر تعداد میں موجود تھے کی گئی ایک اہم تقریر۔ شمالی یمن کے پایۂ تخت صنعاء کا ہال سامعین سے پورا بھرا ہوا تھا۔ اور باہر کے میدان میں بھی بھرا ہوا مجمع مولانا کی صدائے دلنواز پر گوش برآواز تھا۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد!

برادران گرامی، و حضرات، ٹیکنالوجی اور جدید ایجادات کی ترقیاں وہم و گمان سے بالا ہو چکی ہیں لیکن ابھی کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جس سے قلبی خوشی و مسرت اور دلی فرحت و شادمانی کی موجزن لہریں دکھائی جا سکیں۔ نہ ہی یہ ممکن ہے کہ انسان اپنے دل کو نکال کر اپنے بھائیوں کے سامنے رکھ دے تاکہ ان کو بھی دل کی کچھ کیفیت کا اندازہ ہو سکے۔ لیکن اولاً اللہ تبارک و تعالیٰ کے اعتبار پر پھر آپ کی محبت اور جذبۂ اسلامی کے سہارے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ مسلم نوجوانوں کے اس منتخب و پاکیزہ گروہ کو دیکھ کر (اس ملک میں جو اسلام و مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز و محور ہے) جو مسرت و شادمانی مجھے ہو رہی ہے وہ آپ محسوس کر رہے ہوں گے۔

بھائیو! آپ سب جانتے ہیں کہ آبشار زمین سے نکلتا ہے۔ طاقت و قوت کے ساتھ پھوٹتا ہے اور نہایت طاقت و قوت بن کر زمین پہ گرتا ہے۔ کتنے آبشار جو ہزاروں سال سے اسی قوت و طاقت سے پھوٹ رہے ہیں اور گر رہے ہیں لیکن کتنے انسانیت کی فلاح و بہبود اور تمدن کی خیر و بہتری کے لئے استعمال ہوئے۔ کتنے ان میں غیر معروف اور غیر نفع بخش ہیں۔ میں نے کناڈا کا بھی سفر کیا ہے اور ٹورنٹو کو بھی دیکھا ہے اور میں نے کناڈا میں نیاگرا فال (NIAGARA FALL) کو بھی دیکھا ہے جس کو دنیا کے سات عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے۔ عجیب چیز ہے جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے دور سے نہیں سمجھا جا سکتا۔

نہایت بلندی سے وہ گرتا ہے اور ہزاروں سال سے اسی عجیب و غریب قوت سے گر رہا ہے۔ لیکن جس ملک کو اللہ نے یہ آبشار عطا فرمایا ہے اس کو اس فطری آبشار سے انسانیت اور تمدن کی فلاح و بہبود کے لئے فائدہ اٹھانے کی بھی توفیق ملی ہے۔ اس سے وہ زبردست بجلی پیدا کرتا ہے جس سے پورا ملک حرارت و روشنی حاصل کرتا ہے۔ ایسے کتنے ہی خزانے اور طاقتیں پائی جاتی ہیں لیکن بہت سے ممالک ابھی تک ان کے فائدہ سے محروم ہیں اور وہ بیکار ضائع ہو رہی ہیں۔

لیکن میں آج ایک ایسے آبشار کے بارے میں گفتگو کرنے جا رہا ہوں جس کی قوت و تاثیر کا اندازہ کینیڈی آبشار سے نہیں لگایا جا سکتا۔ اور اس سے جو فائدہ و نفع ہے اس کا قیاس بھی اس کینیڈی آبشار پر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ایمان و اخلاص اور جوش و خروش کا آبشار ہے جو عام طور پر پوری امت اسلامیہ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ اور خاص طور سے آپ کے ملک کو اس سے مالا مال کیا۔ اور اس خصوصیت کی سند خود سید الاولین والآخرین رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت دی جب یمنی وفد نے خدمت بابرکت میں حاضری دی۔ ارشاد ہوا:۔

"تمہارے پاس اہل یمن آئے ہیں جو دلوں کے گداز اور نہایت نرم خو ہیں۔ ایمان بھی یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی!"

بڑے بڑے ممالک اور ترقی و تہذیب میں ڈوبے ہوئے ملک آج جن کے ہاتھ میں (حق یا ناحق) قافلہ انسانیت کی باگ ڈور ہے۔ جو اپنے کو تہذیب و ثقافت کے ٹھیکیدار اور قوموں و نسلوں کی قسمتوں کے پہرے دار سمجھتے ہیں آج ان کے پاس سب کچھ ہے۔ لیکن وہ اس آبشار ایمانی سے خالی ہو چکے ہیں۔ وہ انفرادی و اجتماعی اور گروہی مصلحتوں اور محدود و تنگ سیاست سے بالاتر رہنے، اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص سے کام کرنے کے جذبہ سے بالکل خالی ہو چکے ہیں۔ وہ اگرچہ ترقی و تہذیب و تمدن کے بام عروج کو پہنچ چکے ہیں اور خوشحالی و تمدنی مظاہر کے اسباب اور علمی و فکری صلاحیتوں کی بھی فراوانی ہے۔ لیکن وہ ایمان کی فراوانی، ایمان کی گہرائی، اس کی اصالت جو مومن قوم کا شیوہ ہے سے بے بہرہ ہو چکے ہیں۔ ان کے پاس دلوں کی سلامتی نہیں۔ سینے کا نور نہیں۔ اغراض و منافع سے پاک محبت نہیں۔ جنت کا شوق نہیں۔ شہادت کا ذوق نہیں۔ نہ ایمان و احتساب کی کیفیت ہے نہ اچھے اعمال پر اجر و ثواب کی امید۔ مشرقی و مغربی بلاک بہت سی چیزوں میں تو ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ لیکن دونوں ہی بلاکوں کے سربراہوں اور رہنماؤں کے ہاتھوں میں دلوں کی سلطنت کی باگ ڈور نہیں۔ نہ محبت و احترام اور سچے لگاؤ کے وہ جذبات ہیں جو سیاسی اعتبارات اور انفرادی و اجتماعی مصلحتوں سے پاک ہوں۔

میں نے امریکہ میں واشنگٹن میں (وائٹ ہاؤس) سے چند قدم کے فاصلہ پر تقریر کی۔ اور میری تمنا تھی کہ

میری آواز وائٹ ہاؤس تک پہنچے اور وہاں سنی جائے۔ میں نے کہا۔

مشرقی قوموں کی ترقی میں بے شک آپ کا بہت بڑا حصہ ہے لیکن میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ قومیں جن پر آپ کروڑہا کروڑ روپیہ خرچ کر رہے ہیں آپ سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ ان کی نیک تمنائیں بھی آپ کے ساتھ نہیں ہیں بلکہ آپ کی ہر لغزش ان کی تمنا کی تکمیل آپ کی ہر مصیبت ان کی خوشی و شادمانی کا ذریعہ آپ کی بدنصیبی سے ان کی خوش نصیبی کا سامان۔ وہ آپ کی مدد و نصرت کے سایہ میں آرام کرتی ہیں۔ لیکن وہ آپ کے لئے نااحسان شناس اور ناسپاس گذار۔ یہ کیوں ہے ؟ اس لئے کہ آپ کی مدد و نصرت پر اخلاص کا سایہ نہیں۔ یہ سیاسی واقتصادی اور تجارتی بھاؤ تاؤ ہے۔ یہ تمام قومیں جو آپ کی ریزہ چینی کرتے ہیں اور آپ کے خوان نعمت سے کھاتی ہیں۔ لیکن آپ کے لئے اخلاص و محبت سے خالی ہیں، یہ کیوں ؟ اس لئے کہ آپ کی تہذیب ہی عطا کردہ چیزیں اور مدد و نصرت اور احسانات کی ارزانی جو کچھ بھی ہے اس کا اخلاص سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ ہی دلوں کی گہرائیوں سے اس کا کوئی ربط ہے۔ یہ تمام چیزیں تجارتی سودے بازی کے علاوہ کچھ نہیں۔

مسلمان قوم کو اپنے دیندار و ایماندار رہنماؤں سے جو گہرا ربط و لگاؤ ہے اس کی نظیر ملنی مشکل ہے نہ مغربی بلاک میں نہ مشرقی بلاک میں ان کے یہاں نفاق و سیاست کے سوا کچھ نہیں۔ وہ ایمان سے عاری، محبت سے خالی اور جوش و خروش میں دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ پروپیگنڈے کی سرگرمیوں، صحافت و اعلام کی کوششوں اور موسسات و جامعات کی محنتوں کے ذریعہ قوموں کو ایک مصنوعی دھاگے سے باندھ رکھا ہے جس کا کوئی بھروسہ نہیں جب ان کو موقع ملا وہ ان بندھنوں کو پاش پاش کر کے نکل جائیں گی۔ آپ آئے دن انقلابات کے قصے، سازشوں کی خبریں اور حالات کو پلٹنے کی کوششوں کو اخبار میں پڑھتے رہتے ہیں لیکن وہ ایمانی رابطہ و رشتہ جس سے یہ امت اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر خلفائے راشدین سے صالح و دیانتدار قائدین سے، علماء ربانیین سے اور زعمائے مخلصین سے جڑی ہوئی ہے۔ وہی ایسا پائیدار، امانت دار، طاقتور اور وفادار رشتہ ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

هو الذی ايدك بنصره و بالمؤمنين والف بين قلوبهم۔ لو انفقت ما فی الارض جميعًا ما الفت بين قلوبهم ولكن الله الف بينهم انه عزيز حكيم۔

میں کہہ تو رہا ہوں لیکن رنج و ملال سے میرا دل لبریز ہے۔ کہ یہ ایمانی آبشار یہ عطائے ربانی جو جزیرۃ العرب کو ملا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سرزمین جس سے مالا مال ہوئی تھی۔ انصار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کے نصیب جس سے جاگے تھے۔ داعیانِ اسلام اور عالم میں مشعل اسلام کو روشن کرنے والوں کے گھر جس سے چمک اٹھے تھے۔ اس ایمان و احتساب کے آبشار، اجر و ثواب کی امید کے آبشار، جنت کا ذوق اور شہادت کے

شوق کے اُس آبشار سے پھر بعد میں فائدہ نہ اٹھایا گیا۔ اور اس سے وہ مفید کار آمد، طاقت ور اور مشعل بردار کرنٹ نہیں حاصل کیا گیا جو پوری دنیا کو نور بار و لالہ زار بنا سکتا تھا۔ اس میں ہر مشکل کا حل۔ ہر پریشانی کا علاج اور ہر درد کا درماں پایا جاتا ہے۔ اس کے اندر دلوں کو جوڑنے، قوموں کو آپس میں ملانے اور مختلف سوسائٹیوں کو باہم شیر و شکر کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ وہی انسانیت کی مشکلات کا حل پیش کرتا ہے لیکن وہ ایک مظلوم آبشار ہے جو صدیوں سے بے کار پڑا ہے۔

نہایت افسوس کا مقام یہ ہے کہ ابھی تک ہمارے قائدین اس ایمان کی قوت و صلاحیت۔ اس رشتہ کی مضبوطی و پائیداری کی حیثیت اور اسلامی عقیدہ کی طاقت سے ناواقف ہیں۔ وہ ابھی تک دلوں میں پوشیدہ اس طاقت کا اندازہ نہیں کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے آسمانی پیغام، سچی نبوت اور مخلصین کی کوششوں سے ایمان والوں کے قلوب میں پیدا فرمادی ہے۔ انہوں نے اس عظیم الشان بشری طاقت کو پہچانا نہیں۔ جس کا حامل قلب مومن ہے اس کے سامنے ایٹمی طاقت ہیچ ہے۔ اسی طاقت نے ایک نئے عالم کو جنم دیا اور تاریخ کو نئے ڈھنگ سے چلنے پر مجبور کر دیا اور جو چیزیں انسان کے فکر و خیال میں تھیں ان کو حقائق کا جامہ پہنایا۔

لیکن افسوس کہ اصحاب فکر و ارباب نظر اکثر ممالک میں ابھی تک اس طاقت کا انکشاف نہیں کر سکے۔ بلکہ سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہ اس طاقت کو اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ تصور کرتے ہیں اور اس سے برسرِ پیکار ہیں۔ وہ ان باقی ماندہ ایمانی چنگاریوں کو جو امت اسلامیہ میں پائی جاتی ہیں تاریخی ملبہ کا نام دیتے ہیں۔ اور ایسے کھنڈرات سے تعبیر کرتے ہیں جن کا صاف کرنا ضروری ہے۔

ان کی سب سے بڑی طاقت، ذہانت و ذکاوت بلکہ ان کی غیر معمولی صلاحیتیں اسی "ملبے" کے منتقل کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ اور وہ ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے بلکہ ان کی ساری کوششیں ملیامیٹ اور ناکام و نامراد ہو چکی ہیں کیونکہ انہوں نے امت کی فطرت کے خلاف قدم اٹھایا ہے اور وہ برابر اپنے کو حقائق ناشناسی کر کے دھوکا دے رہے ہیں وہ صدیوں کی کوششوں پر پانی پھیرنا چاہتے ہیں اور اپنی کاوشیں ایسی بے موقع و بے محل صرف کر رہے ہیں جن کا کوئی نتیجہ برآمد ہونے والا نہیں۔ اس لئے اس طاقت کو جو مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے اپنا سب سے بڑا حریف اور اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں۔ میں صرف اس کو ایمانی المیہ کہہ دینے پر تیار نہیں بلکہ یہ ایک عالمی انسانی المیہ ہے۔ کہ ایسی طاقت سے فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا۔

بے شک ہماری سلیم فطرت سیدھی سادھی مسلمان قومیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتی ہیں اور جن کا عقیدہ ہے کہ آخرت دنیا سے بدرجہا بہتر ہے۔ جن کو یہ یقین ہے کہ انجام کار پرہیزگاروں ہی کا ہے اور مدد کے حقدار ایمان والے ہی ہیں۔ اور جن کا اس پر ایمان ہے کہ دنیا فانی اور ختم ہو جانے والی ہے اور

اللہ نے اپنے مومن بندوں سے جنت کا جو وعدہ کر رکھا ہے اور راہ خدا میں جہاد کی اور شہادت کی جو فضیلت بیان کی ہے اس کو وہ اس نظر سے دیکھتی ہیں کہ جس نظر سے ترقی یافتہ قومیں لذت کوشی اور عیش و عشرت کو بھی نہیں دیکھتیں جب ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وعدوں اور بشارتوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو جھوم اٹھتی ہیں اور ان کے دل خوشی و مسرت سے کھل جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے کو بھول کر اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیتی ہیں۔ ان کے اندر مردانگی و جرأت مندی نے ایسے جوہر، مروت و شرافت کی ایسی صفات، بلند اخلاقی اور حسن کردار کے ایسے اوصاف پائے جاتے ہیں جن سے دنیا کی اکثر ترقی یافتہ قومیں آج بھی تہی دست ہیں۔ اگر ان کو کوئی وفادار و مخلص قائد میسر آجاتے جو اس طاقت کا جوہر شناس اور اس کی قیمت کو جانتا ہو۔ جو صرف نبوت کی دین اور خدائی تربیت کا نتیجہ اور اخلاص کا صلہ ہوتا ہے۔ اس ایمان کا اگر عشر عشیر بھی یورپی قوموں کو مل جاتا تو دنیا کے دن رات بدل گئے ہوتے۔ لیکن وہ یکے بعد دیگرے مشکلات کا سامنا کرتی رہتی ہیں اور بقول حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کہ چبھے ہوئے کانٹے کو دوسرے ٹیڑھے کانٹے سے نکالتی ہیں۔ تو یہ کانٹا بھی ٹوٹ کر رہ جاتا ہے۔ اس طرح کانٹے پر کانٹے جمع ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بالکل یہی قصہ مغربی تہذیب کا ہے۔ کہ ایک مشکل وہ حل کرتی ہے تو دس مشکلیں آکر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اس لئے وہ اس ایمان سے محروم اور اس اعتماد و بھروسہ سے خالی ہیں جن سے انسان کا انسان سے رابطہ پیدا ہوتا ہے۔ میں کسی ایسے علم نفس کے ماہر اور فلسفہ اخلاق کے عالم کو نہیں جانتا۔ جس نے قرآن مجید جیسی تصویر کشی کی ہو۔

فلولا اذ سمعتموہ ظن المومنون والمؤمنات بانفسھم خیراً وقالوا ھٰذا

افک مبین

یہ آخری انسان کا تصور ہو سکتا ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے۔ جب بھی اپنے مسلمان بھائی کے متعلق کچھ سنتا ہے تو پہلے اپنا جائزہ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو ایسا نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں اپنے آپ سے اور اپنے ایمان سے یہ بات فروتر سمجھتا ہوں کہ ایسا گھٹیا کام کروں تو کیسے میرا بھائی کر سکتا ہے۔ تاریخ میں کونسی سوسائٹی ہے جو ایسی بلند و بالا ہو۔ اور انسانی سوسائٹی کے ایسا قد آور تصور پیش کرے۔

مشرق و مغرب کے رہنما اخلاص کے خلا کو فوجی قوت اور جاسوسی نظام سے پُر کرنا چاہتے ہیں۔ روس میں کسی انسان کو کسی انسان پر بھروسہ نہیں۔ بھائی کو بھائی پر اعتماد نہیں۔ نہ شوہر کو بیوی پر بھروسہ ہے نہ بیوی کو شوہر پر بھروسہ ہے۔ اشتراکی نظام افراد کا اعتماد کھو چکا ہے۔ قریب سے قریب تر لوگوں کا اعتماد جاتا رہا ہے یہاں تک کہ وہاں کی بے جان دیواروں سے بھی لوگ مامون و محفوظ نہیں۔ کہ کہیں اس کے کان ہوں اور اس کے

اندر ریکارڈ فٹ ہوں۔ کوئی انسان گھر کے کسی کونے میں بھی چپکے سے کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔ اور نہ مرجھائے ضمیر کو سکون پہنچا سکتا ہے۔

ایک لطیفہ ہے کہ ایک کتا اس طرف سے آنکلا۔ اس کے بھائی بند دوسرے کتوں نے اس کی خاطر مدارات کرنی چاہی اور قسم قسم کے کھانے پیش کئے۔ لیکن اس نے نہایت بے رغبتی دکھائی۔ اور کھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوا میزبان کتوں نے عرض کیا۔ آپ کیوں نہیں کھاتے، آپ تو ہمارے مہمان ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے کھانے کی حاجت نہیں ہے میں صرف بھونکنا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ میں ایک ایسے ملک میں تھا جہاں بھونک نہیں سکتا تھا تو میں یہاں صرف بھونکنے کے لئے آیا ہوں۔ کیونکہ یہ میرا فطری تقاضا ہے اور کھانے کا ایسا مسئلہ نہیں۔ لیکن میں صرف اپنی ضمیر کی تسلی اور فطری تقاضے کی تکمیل کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

بھائیو! دوسروں کو پہچاننے سے پہلے اپنے رب کو پہچانو۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی جن دولتوں سے نوازا ہے اس کو جانو۔ اور جن کریمانہ میں خصائص سے نوازے گئے ہو ان کو سمجھو۔ اگر تم اپنے آپ کو پہچان لوگے تو دفن کیا ہوا خزانہ تم کو ملے گا۔ اور ایک ایسا آبشار تمہارے ہاتھ لگے گا جو دنیا میں ہر آبشار سے زیادہ طاقت ور ہے۔ یہ ایسا ایمانی آبشار ہے کہ جس کے ذریعہ سے تم اور تمام لوگ جن کو اللہ نے اس دولت و ثروت سے مالا مال ملکوں سے استفادہ کا موقع دیا ہے۔ ایک ایسا بجلی کا کرنٹ حاصل کر سکتے ہو جو سرزمین خدا کو بُقعہِ نور بنا دے۔ اور دنیا میں سویرا کر دے۔ تمہارے ہی اسلاف نے دنیا کی ظلمتوں کو کافور کیا ہے۔ اور اپنی ضیاپاشیوں سے سارے عالم کو منور کر دیا ہے انہوں نے اپنے ایمان و یقین سے بھرپور سینوں سے ایمانی کرنٹ لیا۔ اور شرق بعید اور ہندوستان تک اس کو پہنچا دیا۔ تم ہی میں سے ہمارے علمائے ربانی آئے ان میں محدث و فقیہ بھی تھے اور مربی و شیخ بھی۔ انہوں نے مسلم ہندی قوم کو بت پرستی کے دلدل سے۔ شجر و حجر کی عبادت سے، گائے اور دریا کی پوجا سے بچا لیا۔ یہی تمہارے روشن جبین، خندہ رُو اسلاف تھے، اور ہم برابر ان کے دسترخوان کی خوشہ چینی کر رہے ہیں لیکن میرے بھائیو! اپنے آپ کو پہچانو، خاص طور سے اسلامی ممالک کے رہنما آپ کو پہچانیں۔ اسی طرح اس ملک کے رہنما بھی اپنے آپ کو پہچانیں اور جانیں کہ وہ اپنی اس قوم میں کس دولت کے مالک ہیں اور اپنے اس ملک میں کیا چیز ان کو ملی ہوئی ہے۔ ان کی نظریں تو برابر باہر کی طرف لگی رہتی ہیں تاکہ مغربی تہذیب کی خوشہ چینی کریں۔ ان کے تطبیقی و تکنیکی علوم کی زلہ ربائی کریں۔ اور وہیں سے جدید آلات برآمد کریں۔ یہ آلات انسانیت کی قسمت کا فیصلہ نہیں بدل سکتے لیکن جو ایمان تمہارے پاس ہے وہ انسانیت کے راستہ کو بدل سکتا ہے لیکن اندوہناک بات یہ ہے کہ صدیاں گذرتی چلی جائیں اور قومیں فنا ہو جائیں اور اس ایمانی آبشار سے انسانیت کی فلاح و بہبود کا کام نہ لیا جائے۔

آج بھی دنیا ایسے لوگوں کی منتظر ہے جن کے سینوں میں ایمان جوش مار رہا ہو اور جن کی زبانوں سے ایمان کے

دریا بہہ رہے ہوں اور نور کی برکھا ان کو اپنے جلو میں لئے ہو۔ یہ وہ لوگ ہوں جو انانیت سے پاک، قومیت سے بالاتر، وطنیت سے آزاد اور خواہشات نفسانی سے بلند ہوں۔ ان کا شیوہ انسانیت کی خدمت اور از سر نو اس کی حفاظت کا کام ہو۔

میرے عزیزو! جب زبان نبوت نے آپ کو حکمت و فقہ اور ایمان کے القاب سے یاد کر لیا تو یہ وقتی چیز نہیں۔ ایک حکیم و دانا کا لقب وقتی ہو سکتا ہے۔ ایک طبیب و مورخ کی سند محدود ہو سکتی ہے۔ ایک دور اندیش وعقلمند کی بات اسی تک محدود ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ ایک ایسے نبی کی بات ہے جو ساری انسانی برادری کا نبی ہے جس پر نبوتیں ختم ہو گئیں اور دین و شریعت کی تکمیل ہو گئی۔ جب اس نے اپنی زبان فیض ترجمان سے یہ کہہ دیا کہ "ایمان تو یمنی ہے" تو ضروری ہو گیا کہ ہر زمانہ میں ایمان یمنی رہے۔ اس سند و فضیلت پر تم کو غیرت کرنے کا حق ہے۔ اور یہ کوشش بجا ہے کہ اس کا دائرہ تنگ و محدود نہ رہے۔ یہ تاریخ کی ایک ریکارڈ کی ہوئی سند ہے جس کو حدیث نبوی ﷺ نے محفوظ کر دیا ہے۔ تو آپ کو اس سند پر فخر ہونا چاہئے اور ضرور ہونا چاہئے۔

بہت سی مسلمان قومیں سودے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ایمانی شہادت فقہ و حکمت کی سند ان کو دے دو۔ اور جو چاہے لے لو۔ میں کم از کم مسلمانان ہند کی طرف سے کہتا ہوں۔ تم جو چاہے لے لو مکتبے لے لو۔ مدرسے لے لو، علوم لے لو، خزانے لے لو، یہ عزت افزائی جو اللہ کی طرف سے تم کو ملی ہے وہ ہم کو دے دو۔

"ایمان تو یمنی ہے، فقہ بھی یمنی اور حکمت بھی یمنی ہے"

واللہ عجمی ممالک کے بڑے بڑے اولیاء اللہ تم سے اس چیز میں مفاہمت کرنے کو تیار ہیں لیکن افسوس کہ بشری طاقتیں انہی مفروضہ ملبوں کو ہٹانے میں خرچ کی جا رہی ہیں۔

اے لوگو! یہ ملبے نہیں ہیں۔ از سر نو اخلاق کریمانہ کے پیدا کرنے، صالح معاشرہ تیار کرنے اور انسانیت کی تعمیر کے لئے یہ نہایت اچھی بنیادیں ہیں۔ یہ بھٹکی ہوئی انسانیت کے سگنل اور سمبل ہیں، یہ ملبے نہیں، یہ اجڑے ہوئے دیار نہیں جو تعمیر کی صلاحیت کھو چکے ہوں اور صنعت گری کے فن سے محروم ہو چکے ہوں۔ لیکن بہت سے لیڈروں کا یہ خیال ہے کہ مسلمان کا عقیدہ و مسلک، اخلاق و عادات، اصول و مبادی چند بے قیمت و بے جان چیزیں ہیں جن کا دور ختم ہو چکا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام وہ بیٹری ہے جو سیلس چارج ہو چکے ہیں۔ بہت سے یہ کہتے ہیں کہ ہاں بے شک اسلام نے ابتدائی دور میں بڑا اہم رول ادا کیا جب کہ انسانیت فکری ارتقار کے اعتبار سے بالغ نہیں ہوئی تھی۔ اب دنیا کہیں سے کہیں پہنچ چکی ہے۔ علوم آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں تہذیب و تمدن بام عروج کو پہنچ گئے ہیں۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ نہیں بھائیو! ایسی بات نہیں، یہ ایمان آج بھی امریکہ کو بچا سکتا ہے۔ روس کی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچا سکتا ہے۔ ہندوستان کی دستگیری کر سکتا ہے۔

جاپان کی رہنمائی کر سکتا ہے بلکہ ساری دنیا کو راہ نجات بتا سکتا ہے۔ لیکن کوتاہی ہماری ہے۔ گناہ ہمارے سر ہے اور ان لوگوں کے سر ہے جنہوں نے ابھی تک اس ایمان کو جانا نہیں اور اس طاقت کا صحیح پیمانہ سے اندازہ نہیں لگایا۔ یہ ایمان محض ایک کلمہ نہیں۔ یہ ایمان وہ ہے جس سے ماضی میں محیر العقول واقعات رونما ہوئے تھے۔ اور آج بھی ہوسکتے ہیں۔ اور آج بھی یہ انسانیت کی تمام مشکلات کا حل پیش کر سکتا ہے۔ کیونکہ ان ساری مشکلات کا منبع و سرچشمہ نفس پرستی اور شہوت ستانی ہے۔ یہ سب انانیت کا، منصب وجاہ پرستی کا، کوتاہ بینی اور گروہی عصبیت کا نتیجہ ہیں۔ ایمان سب پر فتح و کامرانی حاصل کر سکتا ہے اور اسی امت سے ایک تازہ امت، اسی ملک سے ایک نیا ملک پیدا کر سکتا ہے اور تاریخی عہد سے ایک نئے تاریخی عہد کو جنم دے سکتا ہے لیکن کہاں ہیں وہ باہمت جو ملک کی کامیابی و شادمانی کے لئے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے اس کو استعمال کریں؟

آج اسلامی سوسائٹی میں سب سے بڑا خلا یہی ہے۔ ہر چیز تیار ہے۔ ہر چیز موجود ہے لیکن وہ شخصیت موجود نہیں جو اس کا صحیح استعمال کر سکے۔

اے اہل یمن! اے میرے بھائیو! تمام عالم اسلام کو تازہ ایمان کی دولت سے نواز سکتے ہو۔ وہ عالم اسلام جو جاں بلب ہے اور اہل جہنم کی طرح فریاد رساں ہے۔

"افیضوا علینا من الماء او مما رزقکم الله"

اور اللہ کے اس قول کو بھی یاد کرتے چلو۔

واذکروا نعمة الله علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا وکنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها

اے انصار نژادو! اے انصار کی نسل والو۔ تمہارے آباء کرام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا

"اگر لوگ ایک وادی کی راہ لیں اور ایک گھاٹی اختیار کریں اور انصار دوسری گھاٹی و وادی چلیں تو میں انصار کی گھاٹی اور وادی اختیار کروں گا۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ لوگ شعار ہیں انصار دثار ہیں۔ اے اللہ انصار پر رحم فرما۔ ان کے بیٹوں پر رحم فرما۔ ان کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما۔"

یہ اعلیٰ سندیں کس کے پاس ہیں؟ یہ عزت افزائیاں کس کے پاس ہیں؟ کس قوم کو یہ فضیلت نصیب ہوئی؟ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ایسی انمٹ شہادتیں ہیں جو آپ ہی کے ساتھ خاص ہیں۔ اس عظیم الشان نعمت کا جس میں قریب قریب آپ منفرد ہیں۔ آپ کو شکر ادا کرنا چاہئے۔ لیکن آپ کی اس انفرادیت کا تعلق ترقی و تمدن سے نہیں اس کا تعلق اس چیز سے ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سپرد کیا ہے۔

(باقی ۴۵ پر)

درسِ حدیث

افادات : مولانا سمیع الحق

ضبط و ترتیب : مولانا اصلاح الدین ڈیروی

شرکیہ دورۃ حدیث دارالعلوم حقانیہ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ آخرت

مرض وفات اور تجہیز و تکفین کی تفصیلات

استادِ محترم سمیع الحق صاحب کے شمائل ترمذی کے درس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات "باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" سے متعلق افادات کو احقر نے بغرض افادۂ عام دورانِ درس ضبط کیا اور اب اسے مرتب کرکے نذرِ قارئین کر رہا ہوں۔ (اصلاح الدین ڈیروی)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ سانحہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۰ ہجری کو پیش آیا۔ بعض کے نزدیک حضورؐ کے وصال کی یہ تاریخ غلط ہے۔ ان کے اختلاف کا سبب تقویم کے بعض ماہرین کا وہ اعتراض ہے جو وہ اس تاریخ پر کرتے ہیں کہ ۱۰ ہجری حجۃ الوداع کے موقع پر ۹ ذی الحجہ کو بالاتفاق جمعہ شریف کا دن تھا۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو کسی صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاول کو پیر کا دن نہیں پڑتا۔ خواہ بعد کے تین مہینے تیس دن کے ہوں یا ۲۹ کے یا بعض تیس اور انتیس کے۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت بالاتفاق پیر کے روز ہوئی ہے۔ اس لئے بعض محققین کا کہنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۲ ربیع الاول کو ہوئی اور بعض لوگوں نے ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ میں تاویلات کا سہارا لیا ہے۔

آغازِ مرض | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرضِ وفات کی ابتداء دردِ سر سے ہوئی۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ حضورؐ ایک جنازہ میں شرکت فرما رہے تھے کہ سر میں درد ہونے لگا۔ پھر بخار نے آلیا۔ اس مرض کی ابتداء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہوئی۔ لیکن حضورؐ کو قسم اور ازواج کے درمیان عدل کا اتنا پاس تھا کہ شدید بیماری کی حالت میں بھی باری باری چارپائی کو ازواج مطہرات کے حجروں میں پھروانے کا حکم دیا۔ تاکہ کسی بیوی کی حق تلفی نہ ہو۔ ازواج مطہرات میں بھی ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ بیماری کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس رہیں تاکہ وہ بھی ان کی تیمارداری اور خدمت کا شرف حاصل کر سکیں۔

حضرت میمونہ رضؓ کے گھر میں آپؐ کی تکلیف میں اضافہ ہوا۔ حالت بیماری میں ادھر ادھر پھرانے سے حضورؐ کو بھی تکلیف ہوتی تھی۔ نیز ہر وقت جگہ اور تیمارداروں کی تبدیلی مرض میں مزید شدت کا باعث بنتا تھا۔ لہٰذا تمام ازواج مطہرات نے آپس میں مشورہ کرکے فیصلہ کیا کہ چونکہ قلبی محبت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا قلبی اطمینان حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے روز روز قیام گاہ بدلنے کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری میں مستقلاً حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ میں رہیں۔ چنانچہ آپؐ نے مرضِ وفات کے بارہ یا چودہ دن اسی حجرے میں گذارے۔

بے پناہ صبر و استقامت | ہر شخص کی موت اندوہناک اور افسوسناک ضرور ہوتی ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت تو روزِ اول سے لے کر آج تک امت کے لئے ایک دردناک اور عظیم ترین سانحہ شمار ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان جتنا بھی عظیم ہوتا ہے موت کے وقت اس کی عظمت کے اتنے ہی مظاہر سامنے آتے ہیں چنانچہ وہ تحمل، حوصلہ، صبر و شکر اور مصائب و شدائد کی برداشت کا اس نازک ترین موقعہ پہ مظاہرہ کرکے اپنی عظمت کا ثبوت دیتا ہے۔ حضرت مولانا آزاد مرحوم نے عظیم لوگوں کی وفات کے متعلق الہلال میں " انسانیت موت کے دروازے پر" کے عنوان سے ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس میں عظیم لوگوں کی وفات کے احوال لکھے ہیں۔ اس کتاب میں مولانا نے حضورؐ کے سانحۂ ارتحال کے احوال بہت مؤثر اور دردناک انداز میں لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے وفات اور مرضِ وفات کے بارے میں بڑے پُر درد اور پُرسوز پیرائے میں کتابیں لکھی ہیں۔

امام ترمذی بھی اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت، مرضِ وفات کے شدائد اور اس موقع پر حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطمینان اور صبر و سکون کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر وفات کے بعد جنازے اور کفن دفن کے حالات بیان کرتے ہیں جس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ صحابہ کرام رضؓ کو اللہ تعالیٰ نے کیسے حالات سے نوازا تھا اور کیسے انہوں نے استقامت سے اس سانحۂ کبریٰ کا استقبال کیا۔ اور کتنے لوگ تھے جو فرطِ غم سے حواس گم کر بیٹھے تھے۔

اس موقع پر صدیق اکبرؓ کا کردار | پھر یہ بھی معلوم ہوگا کہ ابوبکر صدیق رضؓ کا مقام صحابہ کی نگاہ میں کیسا ہے؟ عموماً جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو لوگ کفن دفن کے لئے اس کے جانشینوں سے رجوع کرتے ہیں۔ مگر حضورؐ کا معاملہ اور تھا آپ کی بیٹی، داماد، چچا زاد بھائی اور قوم قبیلہ کے لوگ موجود تھے۔ ازواج مطہرات موجود تھیں۔ مگر ساری امت کا مرجع ابوبکر صدیق رضؓ ہی بنتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی تجہیز و تکفین کے بارہ میں کوئی نزاع پیدا ہوجاتا ہے یا کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو لوگ حضرت صدیق رضؓ کے پاس آتے ہیں اور وہ جو بھی فیصلہ دیتے ہیں لوگوں کی طرف سے " صَدَقْتَ " اور " قد صدق " کی صدا سنائی دیتی ہے۔ اس سے اس بات کو بھی اشارہ ہوجاتا ہے کہ خیر القرون میں حکومت و مملکت، نسلی اور وراثت کی چیز نہ تھی۔ بلکہ صحابہ کرامؓ میں حضورؐ سے قریب ترین اور سب سے افضل ترین امیر اور خلیفہ بن جاتا ہے۔ نیز اس سے صحابہؓ کے درمیان ابوبکر صدیق رضؓ کا مقام بھی بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔

امت سے آخری ملاقات | **حدثنا** ابو عمار الحسین بن حریث (الی قولہ) عن انس بن مالک

قال آخر نظرۃ نظرتھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکشف الستارۃ یوم الاثنین فنظرت الی وجھہ الخ

حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے کا دروازہ مسجد نبویؐ کی طرف کھلتا تھا۔ آپ نے مرضِ وفات میں دروازے پر سے پردہ اٹھا کر دیکھا کہ سب صحابہ رضؓ سربسجود ہیں۔ حضرت صدیق رضؓ امامت فرما رہے ہیں۔ امت کے ساتھ حضورؐ کی یہ آخری ملاقات تھی —— کتنی عظیم نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی زندگی کے آخری لمحات میں آپ کو سکون و اطمینان دلانے کے لئے یہ منظر دکھلا رہے ہیں۔ گویا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتانا چاہتے ہیں کہ آپ نے امت کے لئے جتنی محنتیں برداشت کیں۔ جو تکالیف اور مصائب امت کے لئے جھیلیں وہ رائیگاں نہیں گئیں۔ اور توحید کا جو پودا آپ نے آج سے تیئس سال قبل بویا، اسے سینچا اور اس کی نشو و نما میں جانکاہ مصائب سہے بالآخر وہ ثمر آور ہوا۔ یہی لوگ ہی تو تھے جو لات، منات اور عزیٰ کے قدموں میں پڑے تھے۔ جہالت اور صنم پرستی کے ظلمات میں سرگرداں ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ مگر آج اللہ کے ہاں سربسجود ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ہاں آخری گواہی بھی یہی دے سکیں گے کہ اے اللہ میں نے ان لوگوں کو ہر طرف سے کاٹ کر تیری بارگاہ میں جھکا ہوا چھوڑا تھا۔ اور وہ سربسجود تھے۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ پھر اس کے بعد اے اللہ تو ہی ان کا نگران رہا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضورؐ نے باہر جھانک کر دیکھا۔ اور میں نے چہرۂ انور کو دیکھا کہ کانّہ ورقۃ مصحف بلیغ کلام اور بے نظیر تشبیہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے نورانی صفحہ کے ساتھ چہرۂ انور کو تشبیہ دی ہے۔ گویا جس طرح قرآن مجید کے اوراق میں انوار ہوتے ہیں۔ اور ان انوار کا کماحقہٗ احساس بھی صحابہ ہی کو ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نبی کریمؐ کا چہرہ مبارک انوارِ الٰہی وقار و بشاشت اور اطمینان و سکون کی وجہ سے دمک رہا تھا۔ اور اس تشبیہ سے غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و شکر اور اس طمانیت کی نشاندہی ہے جو امت کو ایسی حالت میں دیکھ کر رسول اللہ کے چہرہ سے عیاں تھی۔ نیز مسرت کی اس کیفیت کا پتہ بھی خوب چلتا ہے جو رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کے تصور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہو رہی تھی۔

امامت ابی بکر | والناس یصلون خلف ابی بکر فکاد الناس ان یضطربوا فاشار الی الناس ان اثبتوا وابوبکر یومھم۔ حضورؐ نے پردہ اٹھایا تو صحابہؓ سمجھے کہ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ ان میں کھلبلی مچی۔ مگر حضورؐ نے لوگوں کے اضطراب کو محسوس کر کے اطلاع دی کہ میں نہیں آ رہا۔ اس لئے صفوں کو نہ توڑو۔ اپنی نماز پوری کرو۔ اس بات میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی امامت کی تقریر و تائید بھی ہے۔ اور یہ اشارہ بھی کہ آئندہ بھی ان کی اقتدار و اتباع میں راسخ قدم رہو۔

مخالفین و معاندین، سازشی اور منافقین ڈگمگاہٹ پیدا کرنے کی بارہا کوشش بھی کریں اور عظمت ابوبکرؓ اور ان کی خلافت کے بارے میں لب کشائی بھی کرتے رہیں مگر تم ثابت قدم رہو اور اجتماعیت کو برقرار رکھتے ہوئے ثبات اختیار کرو۔

واتقی السجف وتوفی من آخر ذالک الیوم۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس روز کے آخر میں وفات پا گئے۔ مگر اس پہ اشکال وارد ہوتا ہے۔ کہ قوی روایات کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کے وقت رحلت فرمائی۔ جن کو مدنظر رکھتے ہوئے آخر الیوم کا لفظ درست نہیں بنتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آخر کا اطلاق کبھی کبھی دخول فی النصف الثانی پر بھی ہوتا ہے۔ اور ضحوۃ کبریٰ یعنی چاشت کا وقت بھی زوال کے قریب ہے۔ گویا ضحوۃ کبریٰ کو قرب کی وجہ سے زوال کہا گیا۔ پھر زوال سے آخر الیوم کا لفظ کہہ کر تعبیر کی گئی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آخر کا لفظ کبھی مقحم بھی آتا ہے جس طرح عین کا لفظ کبھی مقحم اور زائد مستعمل ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی آخر کا معنی مقصود و مراد نہ ہوگا بلکہ یہ کہ حضور ص اسی دن انتقال فرما گئے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضور ص چاشت کے وقت انتقال فرما گئے۔ لیکن کسی کو آپ ص کی وفات کا یقین نہ آیا۔ خصوصاً حضرت عمر رض تو آپ ص کی موت کے بارے میں سننے کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رض نے یہ عقدہ حل فرمایا۔ مگر آپ کے فیصلے کا علم اکثر صحابہ رض کو اس وقت ہوا جب دن کا بیشتر حصہ گذر چکا تھا۔ یوں لوگ سمجھنے لگے کہ آخر النہار میں حضور ص کی وفات ہوئی تھی۔

حدثنا محمد بن سعدۃ (الی قولہ) عن عائشۃ قالت کنت مسندۃ النبی ص الی صدری او قالت الی حجری فدعا بطست لیبول فیہ الخ **شدید بیماری** اور انتہائی ضعف و نقاہت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفائی اور نظافت کا بہت زیادہ **اہتمام** رکھتے تھے حتیٰ کہ چارپائی سے اتر نہیں سکتے۔ مگر پھر بھی چلمچی جیسا کوئی برتن منگوایا اور پردہ کرا کر بول کیا۔

فمات اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور ص عین اسی حالت میں انتقال کر گئے۔ مگر چونکہ اس حدیث میں حضور ص کے ضعف کا بیان مقصود تھا اس وجہ سے مرض وفات کے دیگر حالات و واقعات بیان نہیں فرمائے۔ حضور ص کے ضعف کے بیان کے ساتھ ساتھ اس حدیث میں حضرت عائشہ رض کی عظمت رتبی کو بھی اشارہ ہے کہ نبی کریم ص اپنے آخری سانسوں میں آپ ہی کی گود کا سہارا لئے ہوئے تھے۔ اور یہ عظیم اعزاز کسی اور کو حاصل نہ ہوا۔

حدثنا قتیبہ (الی قولہ) عن عائشۃ انھا قالت رأیت رسول اللہ ص وھو بالموت وعندہ قدح فیہ ماء الخ

وھو بالموت بالموت کا متعلق محذوف ہے۔ تقدیر یہ ہے وھو مشرف بالموت یعنی آنحضرت موت کے قریب تھے

ویمسح وجھہ بالماء بعض اوقات جب بخار انتہائی سخت ہو جاتا ہے تو تبرید کے ذریعے مریض کو آرام پہنچایا جاتا ہے۔ آج کل بھی بسا اوقات بعض بخار میں ڈاکٹر اس پہ عمل کرتے ہیں۔ اور خود حضور ص سے یہ مروی بھی ہے۔ فرماتے ہیں "ان الحمی من فیح جہنم فابردوھا بالماء (ترمذی جلد ۲ صہ ۲۷) نیز فرمایا۔" الحمی فور من النار فابردوھا بالماء (ایضاً)

یعنی شدید بخار جہنم کے بھڑا س میں سے ہے اسے پانی سے ٹھنڈا کر دیا کرو۔

حضورؐ کے سکرات موت

اللھم اعنی منکرات الموت او قال علی سکرات الموت ۔منکرات سے وہ نا آشنا اور غیر معروف حالات مراد ہیں ۔ جو موت کے وقت انسان کو پیش آتے ہیں اور اس سے قبل انسان کا اس سے واسطہ نہیں پڑتا ۔ عموماً ایسی حالت میں آدمی غفلت کا شکار ہو جاتا ہے ۔ اور جزع و فزع میں آخرت اور رضائے الٰہی بھول جاتا ہے ۔ چنانچہ ایسے سخت ترین اور خطرناک حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثبات و استقامت کی دعا فرمائی ۔ کہ اے اللہ اس مرض میں مجھ سے خلاف شرع امور سرزد نہ ہوں ۔ موت کے وقت کبھی بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے کبھی افاقہ ہوتا ہے ۔ اس کیفیت کو سکرات الموت کہا جاتا ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت شدائد و تکالیف سے دوچار رہونا مبغوضیت کی علامت نہیں ۔ ہمارے ہاں بسا اوقات اس شخص کو بدبخت اور گناہ گار تصور کیا جاتا ہے جس کے سکرات موت سخت اور طویل ہوں ۔ مگر یہ غلط ہے بلکہ درحقیقت سیئات اور خطایا کی کمی پورا کرنے ، درجات کی بلندی اور مقامات عالیہ عطا کرنے کی خاطر مقربین اور اولیاء اللہ پر تکالیف اور شدائد زیادہ آتے ہیں ۔ گویا سکرات الموت کی شدت اللہ تعالیٰ کے دربار میں عدم قبولیت کی دلیل نہیں ۔ ورنہ سید المخلوقات رسول اللہؐ سے زیادہ محبوب اور کون ہو سکتا ہے تو اس لطف و مہربانی کے زیادہ حقدار بھی وہی ہو سکتے تھے ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی رحلت کو اس معاملہ میں بھی دنیا کے سامنے ایک قابل تقلید نمونہ بنایا کہ شدائد موت میں آہ و فغاں کی بجائے صبر سے کام لینا چاہیئے ۔ اور استقلال کا دامن مضبوطی سے تھام کر تسہیل و تخفیف کی دعا کرنی چاہیئے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک آنے والی موت سے پناہ مانگی ہے ۔ چنانچہ عمرو بن العاص کی روایت ہے ۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعاذ من سبع موتاۃ ۔ موت الفجاءۃ ومن لدغ الحیۃ ومن السبع ومن الحرق ومن الغرق ومن ان یخر علی شیئ او یخر علیہ شیئ ومن القتل عند فرار الزحف (مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۱)

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات قسم کی موتوں سے پناہ مانگی ہے ۔ اچانک آنے والی موت سے اور سانپ کے ڈسنے سے ۔ درندوں کی چیر پھاڑ سے ۔ جلنے سے ۔ ڈوبنے سے ۔ کسی چیز پر گر کر مرنے یا کسی چیز کا اس پر گر جانے سے اور جنگ سے بھاگتے ہوئے قتل ہونے سے ۔

کیونکہ ایسے حالات میں سوچنے ، توبہ کرنے ، اللہ کے حضور گڑگڑانے اور وصایا کرنے کا موقعہ میسر نہیں آتا ۔

حدثنا الحسن بن الصباح (الی قولہ) عن عائشۃ قالت لا اغبط احدا بھون موت الخ

مطلب یہ ہے کہ اس سے قبل تو ہم سکرات موت میں تخفیف کی وجہ سے بعض لوگوں پر رشک کیا کرتے تھے ۔

اور یہ تمنا کرتے کہ کاش فلاں شخص جیسی آسان موت نصیب ہو مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی سختی، شدائد اور کرب و آلام نظر آئیں تو کسی کی مرض الموت میں تکلیف ہونے پر رشک وغبطہ کی تمنا نہ رہی۔ اس حدیث میں بھی حضورؐ کے سکرات موت کی شدت کو اشارہ ہے۔ لہذا موت کی تہوین وتخفیف کو کرامت سمجھنا خام خیالی ہے۔ کیونکہ شدت مرض گناہوں کی معافی اور استغفار، موت کے استحضار اور رفع درجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ یہ شدت و پریشانی مقدمات موت کی وجہ سے ہے۔ عین موت کی وجہ سے حضورؐ کو کوئی رنج و پریشانی نہ تھی۔ بلکہ آپ تو رفیق اعلیٰ کے وصال کے لئے پہلے سے تڑپ رہے تھے۔ موت کے وقت بھی وصال کا تصور کر کے مسرت و بشاشت ظاہر ہو جاتی تھی۔

تدفین میں اختلاف | حدثنا ابو کریب (الی قولہ) عن عائشۃ قالت لما قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم اختلفوا فی دفنہ الخ یہ بات ذہن نشین رہے کہ صحابہ کرامؓ عام اور معمولی باتوں میں اختلاف سے گریز فرماتے۔ لیکن رحمۃ للعالمین کی رحلت کی موت عام انسان کی موت نہ تھی۔ بنی اسرائیل میں انبیاء کثرت سے گذرے ہیں اور متعدد بار انہوں نے انبیاء کی تدفین اپنے ہاتھوں سے کی۔ اس لئے یہ بات ان کے ہاں کسی غیر معمولی واقعہ کی حامل نہ تھی۔ اس کے برعکس حضورؐ کی بعثت امییّن میں ہوئی تھی اور انہوں نے نبی کی موت کے بارے میں سنا بھی نہ تھا۔ وہ اس بات کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ ایسی مقدس ہستی پر خاک ڈال دیں۔ وہ حیران تھے کہ نبیؐ کیسے وفات پاتا ہے؟ اور وفات کے بعد اس سے کیا رویہ برتا جاتا ہے؟ اسے دفنایا بھی جاتا ہے یا نہیں؟ اور پھر کہاں پر دفنایا جائے گا؟ جنازہ بھی ہوگا یا نہیں؟ اور کون دل گردے کا مالک نبی پر جنازہ پڑھے گا؟ پھر جنازہ اجتماعی ہوگا یا انفرادی ہے؟ اور اس قسم کے سوالات کی وجہ سے وہ ششدر و پریشان تھے۔ اور الجھنوں میں پڑتے رہے۔

ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے صدیق الامت کے دل میں عزم و استقلال کا مادہ پیدا کر دیا۔ امت کے اس مونس و غمخوار نے صحابہ کی تسلی اور پریشانی مٹانے کا یہ کٹھن کام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

فقال ابو بکر جس طرح پہلے گذر چکا ہے کہ اختلاف کی متعدد جہات تھیں۔ یہاں صرف تدفین کے مقام میں اختلاف کا ذکر ہے۔ آپؐ کے مدفن کے بارے میں مختلف آراء سامنے آئیں۔ کوئی جنت البقیع کا نام لیتا۔ کوئی آپ کے گھر کو ترجیح دیتا۔ کوئی مسجد میں دفن کرنے پر مصر تھا کسی کی رائے یہ تھی کہ آپؐ اپنے مولد یعنی مکہ مکرمہ میں مقام ابراہیم یا حطیم میں دفن کرنا چاہیئے۔ کوئی کہتا کہ چونکہ آپ ملت ابراہیمی کے امام و مجدد ہیں۔ اس لئے اپنے جد امجد کے پاس انہیں "الخلیل" میں دفن ہونا چاہیئے۔ جہاں حضرت ابراہیمؑ کے علاوہ حضرت اسحاقؑ، حضرت یوسفؑ اور دیگر جلیل القدر انبیاء مدفون ہیں۔ آج کل اس شہر کو حبرون بھی کہا جاتا ہے جو بدقسمتی سے اسرائیل کے جدید مقبوضہ

علاقوں میں شامل ہے۔ بعض دوسرے صحابہؓ کے خیال میں بیت المقدس لے جانا بہتر تھا۔

الغرض ہر کوئی اپنا خیال پیش کرتا۔ ابوبکرؓ تک بات پہنچی تو آپ نے یہ گتھی سلجھا دی۔ اور اس سلسلے میں حضورؐ کا یہ قول پیش کردیا کہ نبی کو وہاں دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی موت واقع ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مزاج اور عادت کی وجہ سے روایت کے سلسلے میں بہت محتاط تھے۔ بلاضرورت روایت کرنے سے کتراتے تھے۔ اور اس کا سبب ظاہر ہے۔ وہ یہ کہ آپ احادیث کی بہت زیادہ تعظیم واحترام کرتے اور ادب ملحوظ رکھتے کہ کہیں بے احتیاطی نہ ہونے پائے۔ تاہم جب ضرورت پڑتی تو خاموش تماشائی بھی نہ بنتے۔ خصوصاً امت کے نزاع کے وقت آپ کی روایت فیصل اور حکم بنتی۔

مدفنِ نبی کا انتخاب خدائی ہوتا ہے | ما قبض اللہ نبیاً الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ ادفنوہ فی موضع فراشہ
پیغمبر کی روح اللہ تعالیٰ جس جگہ قبض فرماتے ہیں وہی جگہ مدفن کے لئے بھی منتخب فرمائے ہوتے ہیں۔ گویا حضورؐ نے خود ہی اس قول کے ذریعے فیصلہ دے دیا کہ جس حجرہ میں ہیں وہیں دفن کردو۔ اتفاق سے وہ حجرہ سیدہ عائشہ رضؓ کا تھا۔ اور سب نے اس حکم کے آگے سرتسلیم خم کر دیا۔ کسی نے بھی لب کشائی نہ کی۔ یہ بھی نہ کہا کہ حضرت فاطمہؓ کا حجرہ قریب ہے یا حضرت علیؓ کے گھر دفن ہونا چاہئے۔ نیز یہ بدگمانی بھی کسی نے نہ کی کہ ابوبکر صدیقؓ نے اپنی بیٹی کو یہ شرف دلوانے کے لئے کوئی بات بنائی ہوگی۔ (العیاذ باللہ)

بعد کے معاندین اہلِ رفض نے ان ساری باتوں میں الزامات اور بدگمانیوں کا بازار گرم کیا۔ اس موقعہ پر اہل بیت، ازواجِ مطہراتؓ، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور سب صحابہؓ نے اپنے رہبر ومقتدا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول فیصل بلاچون وچرا تسلیم کر لیا۔ اگر شیعہ موجود ہوتے تو یہ الزام اس وقت بھی لگاتے۔ کہ صدیق نے یہ سب کچھ اقرباپروری کے لئے کیا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کو دیگر تشریفات کے علاوہ اس شرف سے بھی مشرف کرنا تھا۔ چنانچہ صحابہؓ میں سے کسی نے بھی اس پر انکار نہ فرمایا۔

یہاں سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہوگئی کہ نبی برحق کو اللہ تعالیٰ کبھی بھی غیر معززؔ مقام میں وفات نہیں ہونے دیتے۔ ہاں جو جعلی اور بناوٹی نبی ہوا سے بیت الخلاء میں مرنا نصیب ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مرزا غلام احمد جیسے دجال کی تکذیب کے لئے یہ حدیث بھی کافی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس جگہ کسی نبی کی روح لیتے ہیں جس جگہ اسے دفن کرنا مقصود ہو۔ جب کہ اس کذاب کو ہم دیکھتے ہیں کہ اسے لاہور میں علاج کے لئے لایا گیا تو لاہوری مرزائیوں کی بلڈنگ میں اقامت کے دوران اسے سخت ہیضہ نے آلیا۔ جب قضائے حاجت کے لئے گیا تو بیت الخلاء میں ہی جہنم واصل ہوا۔ چشم دید گواہوں کے مطابق غلاظت اس کے منہ پر بھی لگی ہوئی تھی۔ اگر وہ معاذ اللہ واقعی نبی ہوتا تو حضورؐ کے اس قول کے مطابق تو اسے وہیں بیت الخلاء میں دفن کرنا تھا اور قادیان لے جانے کا کوئی جواز نہ تھا۔

ابوبکرؓ کا بے پناہ صبر و استقامت

حدثنا محمد بن بشار (الی قوله) عن ابن عباس و عائشة ان ابابکر قبل النبی بعد ما مات۔ حضور ﷺ پرنور کی رحلت کے وقت حضرت ابوبکرؓ موجود نہ تھے۔ اکثر تو مرض وفات میں وہ حاضر رہے مگر زراعت اور کاروبار کی غرض سے انہیں دور جانا پڑتا۔ وفات سے کچھ قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی۔ آپ اپنی زمین کے انتظام کی خاطر ایک میل دور مقام سنح کی طرف چلے گئے تھے۔ ادھر حضورؐ کی بیماری بڑھ گئی۔ دوپہر کے وقت آپ اپنی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت سالمؓ نے یہ دلدوز خبر سنائی۔ آپ نے فوراً سب کچھ چھوڑ کر ادھر کا رخ کیا۔ مسجد نبویؐ پہنچے تو صحابہ کی اشک بار آنکھوں نے آپ کا استقبال کیا۔

تمام صحابہ غم والم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ حضرت فاروقؓ تلوار سونتے ہوئے کھڑے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں کہ جس نے حضورؐ کی موت کے بارے میں لب کشائی کی، تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس عظیم سانحہ نے سب کے حواس معطل کر دئے تھے حوصلہ اور استقامت صدیقؓ ہی کا کام ہو سکتا تھا۔ چنانچہ وہ آئے۔

اگلی حدیث میں آئے گا کہ حضورؐ پر صحابہؓ کا ہجوم تھا۔ چھوٹا سا حجرہ کچھا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حضرت صدیقؓ آئے تو سب نے راستہ بنا کر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری دیدار کا موقع دیا۔ چنانچہ آپ حضورؐ کے پاس آئے۔ بے پناہ قوت برداشت اور تحمل کے باوجود اس وقت عشق و وارفتگی سے بے بس ہو کر پیشانی مبارک کو الوداعی بوسہ دیا۔ اور وانبیاہ و اصفیاہ و اخلیلاہ کے الفاظ منہ سے نکلے۔

ابوبکرؓ پر فراق نبوی کے اثرات

مورخین حیران ہیں کہ ابوبکرؓ اتنے عشق کے باوجود اتنا ضبط کیونکر کر سکے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ صدیقؓ کو اس صدمہ نے اندر ہی اندر گھلا کر رکھ دیا۔ آپ ہجر کے اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکے۔ اور دو اڑھائی سال بعد اپنے محبوب سے جا ملے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے " مات من کمد لحقه من هجر رسول الله صلی الله علیه وسلم"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جب حضورؐ نے عین حیات ہی میں ایک موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا " ان عبداً خیره الله بین ان یؤتیه من زهرة الدنیا ماشاء و بین ما عنده فبکی ابوبکر " تمام صحابہ بیٹھے ہیں اور اس قصہ کو وقتی ایک قصہ سمجھ بیٹھے مگر صدیقؓ پر نبیؐ کا عکس پڑتا ہے وہ سمجھ گئے کہ نبی کریمؐ کا مقصد دوسرے نبی کی حکایت بیان کرنا نہیں بلکہ وہ اپنی بات کر رہے ہیں۔ اس لئے آپ دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ اور کہا " فدیناك بآبائنا و امهاتنا " لوگوں نے کہا اس بوڑھے کو دیکھو کہ حضورؐ کسی اور کی بات کرتے ہیں اور یہ رونے لگے۔ نبی کریم سمجھ گئے کہ صدیقؓ بات کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اس لئے فرمایا " علی رسلك یا ابابکر " پھر فرمایا " ان من امنّ الناس

عليّ في صحبته وماله ابوبكر (متفق علیه) اور فرمایا لو كنت متخذاً خليلاً لاتخذت ابابكر خليلاً الا وان صاحبكم خليل الله (ترمذی)

مقام صدیق رضؓ | اس والہانہ عشق و محبت کے باوجود وفات النبیؐ کا تصور کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوتِ برداشت اور صبر وتحمل کا مظہر بنا دیا تاکہ دکھی دلوں کو ایک دلاسہ دینے والا اسونس وغم خوار مل جائے۔ اور بلاشبہ نیابتِ رسالت کا منصب اسی شخص کے شایانِ شان ہے جس کے بارے میں خود حضورؐ نے فرمایا میں نے ہر شخص کے احسانات کا بدلہ دے دیا ہے۔ صرف ابوبکرؓ کے احسانات کا بدلہ میں نے آخرت کے لئے مؤخر کر دیا ہے۔

اقبال اپنے الہامی کلام میں حضورؐ کے نزدیک صدیقؓ کے مرتبے کی یوں تصویر کشی کرتے ہیں ؎

آں امن النّاس بر مولائے ما　　آں کلیم اوّل سینائے ما

اور حضرت حسان بن ثابتؓ شاعر رسولؐ نے ایک موقعہ پہ ابوبکرؓ کی شان میں کیا عجیب مدحیہ اشعار کہے فرماتے ہیں ؎

خير البريّه اتقاها واعدلها　　بعد النبي واوفاها بما حملا

وثاني اثنين في الغار المنيف وقد　　طاف العدو به اذ صعد الجبلا

وكان حب رسول الله قد علموا　　من البرية لم يعدل به رجلا

بہرحال صدیقؓ نے حضورؐ کو بوسہ دیا۔ اور اس میں حضورؐ کی اقتدار وتیمن کو بھی ملحوظ رکھا۔ خود حضورؐ سے یہ سنّت ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان بن مظعونؓ جب وفات پاگئے تو نبی کریمؐ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا تھا۔

حدثنا نصر بن علي الجهضمي (الى قوله) عن عائشة ان ابابكرؓ دخل على النبيؐ بعد وفاته فوضع فمهٗ بين عينيه ووضع يده على ساعديه وقال وانبيّاه واصفياه واخليلاه

حضورؐ کے دونوں بازوؤں پہ ہاتھ رکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور فرمایا۔ ہائے نبیؐ ۔ ہائے اللہ کے صفی، ہائے میرے دوست۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حقیقی اوصاف کا لحاظ کر کے میت کو وا اور یا۔ سے پکارنا جائز ہے مگر یہ الفاظ صدیق اکبرؓ نے نوحہ کے طور پر نہیں کہے تھے۔ باقی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

حضورؐ کی تدفین سے انوار میں کمی | **حدثنا بشر بن هلال الصواف** (الى قوله) عن انس قال لمّا كان اليوم الذي دخل فيه رسول اللهؐ المدينة اضاء منها كل شيء الخ

حضور اقدسؐ جس دن مدینہ طیبہ تشریف لاتے تھے تو سارا شہر ظاہری و باطنی خوشیوں کی آماجگاہ بن گیا تھا انوار کی بارش سے یہ چیز ہر ایک کو محسوس ہو رہی تھی اور حضورؐ کی آمد سے تمام سارا عالم منور ہو گیا تھا۔ تو مدینہ کے

چھوٹے بڑے سب مسرور تھے۔ بچے خوشی میں دف بجا بجا کر گاتے ۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

اس سے پہلے اہل مدینہ دس پندرہ روز تک انتظار کی شدید کیفیتوں سے دوچار رہے تھے۔ چھوٹے بڑے سب ثنیۃ الوداع میں جمع ہوکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے۔ اور حضورؐ کو نہ دیکھتے تو واپس آکر دوسرے دن استقبال کے لئے نکلتے۔ جس روز آپ مدینہ پہنچے تو مدینہ میں عید کی سی خوشی منائی گئی۔ صحابی فرماتے ہیں۔ کہ حضورؐ کے قدوم میمنت سے سارا مدینہ منور ہوگیا۔ ہر چیز روشن ہوگئی۔ پھر جب دس سال بعد وہ مبارک ومقدس ہستی رخصت ہونے لگی۔ تو ہم لوگ وصال کے بعد تدفین سے فارغ ہوکر ابھی ہاتھ سے مٹی جھاڑنے بھی نہ پائے تھے کہ ہم نے دلوں کو بدلا ہوا پایا۔ ہر چیز اوپری سی لگ رہی تھی۔ یہاں تک کہ ہم نے اپنے دلوں کی کیفیت بھی نا آشنا اور متغیر محسوس کی۔ جیسے سورج ڈوبتے ہی ظلمتوں کا بحر محیط امڈ آتا ہے۔ اور ساری کائنات اوپری سی لگتی ہے۔ یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کی وجہ سے جو انوار و اثرات اور وحی کی برکات تھیں وہ صاحب وحی کے اٹھتے ہی مفقود ہوگئیں۔ اور قلوب میں وہ صفائی اور نورانیت نہ رہی جو اس سے قبل تھی۔ کیونکہ حضورؐ کی موت کے بعد ہر لحظہ خیر میں کمی اور شر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہی اثر حضورؐ کی موت کے قریب ترین لمحات میں بھی رہا۔ جسے صحابہؓ کی حساس نظروں نے تاڑ لیا۔ پھر خیر القرون کے بعد تو ہر گذشتہ کل آج سے بہتر ہونے کا ثبوت مل گیا۔

ایک حکایت کے مطابق ایک صوفی شخص نے دکان کھولی جس میں تازہ روٹی ایک روپیہ اور باسی روٹی دو روپے میں بکتی تھی۔ مگر لوگ تازہ روٹی چھوڑ کر سوکھی روٹی خریدتے۔ کیونکہ وہ حضورؐ کے زمانے سے کچھ قریب ہوتی۔

حدثنا محمد بن حاتم (الی قولہ) عن عائشۃ قالت توفی رسول اللہؐ یوم الاثنین حضورؐ کا وصال پیر کے روز ہوا۔ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ کسی نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا۔

حدثنا محمد بن ابی عمر (الی قولہ) عن ابیہ قال قبض رسول اللہؐ الخ

تدفین میں تاخیر | فمکث ذالک الیوم پیر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔ یہ دن انتظامات میں گذر گیا۔ پھر منگل کی رات اور منگل کا دن بھی گذر گیا۔ اور بدھ کی رات کو آپؐ کی تدفین ہوئی۔ لہذا دفن من اللیل کا معنی یہ ہوا کہ آپ کو لیلۃ الاربعاء میں دفن کیا گیا۔ گویا عبارت میں یہ ایجاز ہے اور یوم الثلثاء کے گذر جانے کا ذکر مراد ہونے کے باوجود نہیں کیا گیا۔

سنت اور افضل یہ ہے کہ میت کو جلدی دفن کر دیا جائے۔ لیکن خاص حالات اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضورؐ کی تدفین بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ بلکہ وہ حالات کچھ ایسے تھے کہ ہر بات نئی ہونے کی وجہ سے جھگڑا پیدا ہونے

کا اندیشہ تھا۔ اس لئے غور فکر اور مشوروں کی ضرورت تھی۔ ادھر کفن دفن کے احکامات بھی ہر کسی کو معلوم نہ تھے۔ اور ان معاملات کو حضورؐ کی تدفین سے قبل ہی طے کرانا ناگزیر تھا تاکہ تجہیز و تدفین میں وحدت و اجتماعیت برقرار رہے۔ اور تمام صحابہؓ اس میں شریک ہوں۔

پھر بدقسمتی سے خلافت کے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ جس کی اہمیت کا احساس صدیق اکبرؓ جیسے نباضِ امت اور عمر فاروقؓ جیسے صاحب فراست و سیاست ہی کو ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس کٹھن مرحلہ میں امت کو افتراق اور انتشار و انتشار سے بچانے کے لئے ابوبکر صدیق رضؓ اور دیگر اکابر صحابہ رضؓ نے پہلے اس کی طرف توجہ دینا ضروری سمجھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اختلاف قیامت تک امت کے لئے دردِ سر بنے گا۔

حضورؐ کی رحلت کے فوراً بعد صحابہؓ میں خلیفۃ الرسول کے بارے میں مشورے ہوئے۔ انصار نے سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہو کر یہ مسئلہ چھیڑ دیا۔ ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کو اس بارے میں پتہ چلا اور محسوس کر لیا کہ اگر انصار اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے تو وحدت و اجتماعیت اور یکسوئی ختم ہو کر امت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ چنانچہ وہ بھی اس مسئلے کو نمٹنے کے لئے سقیفہ بنو ساعدہ چلے گئے۔ اسی دوران انصار میں سے حضرت حباب بن منذر نے "منا امیر و منکم امیر" کا نعرہ لگا کر "ادھر تم ادھر ہم" کا نظریہ پیش کیا۔ مگر صدیقؓ کی فراست نے امت کی وحدت کی لاج رکھ لی۔ چنانچہ آپ نے انصار کو ایک مؤثر تقریر کے ذریعے سمجھایا۔ جس پر انصار کے مجمع نے لبیک کہا۔ حضرت عمر رضؓ نے وہیں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور پھر دوسرے روز مسجد نبویؐ میں عمومی بیعت کے ذریعے تمام لوگوں نے صدیق اکبر رضؓ کو خلافت کا فریضہ سونپ دیا۔ اس کے بعد ہی تدفین کی طرف توجہ دینے کا موقعہ ملا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ تدفین میں دیر ہو گئی۔

تاخیر کا ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ نماز جنازہ اجتماعی طور پر نہیں ہوا تھا بلکہ صحابہ ٹولیوں کی صورت میں حجرہ میں جاتے اور نماز پڑھتے۔ اور یہ حجرہ بھی وہ حجرہ ہے جس میں حضورؐ تہجد پڑھتے تو حضرت عائشہ رضؓ کے سونے کے لئے جگہ نہ ہوتی۔ حضورؐ سجدہ کو جاتے تو حضرت عائشہؓ پاؤں سمیٹ لیتیں، تب حضورؐ کے سجدے کے لئے جگہ بنتی۔ تو ایسے حجرے میں بیک وقت تین چار آدمی ہی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہزاروں عشاق کی نماز پڑھنے پر بہت وقت لگے گا۔

یسمع صوت المساحی الخ مساحی مسحات کی جمع ہے۔ پھاوڑے کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ رات کا آخری حصہ سکوت اور خاموشی کا وقت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہ آواز دور سے بھی صاف سنائی دیتی ہے۔ تو ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ کی تدفین رات کے آخری حصے میں ہوئی۔ کیونکہ اخیر حصہ شب میں پھاوڑوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔

حدثنا قتیبہ بن سعید (الی قولہ) قال توفی رسول اللہ صلعم یوم الاثنین ودفن یوم الثلثاء دراصل منگل اور بدھ کی درمیانی شب کو حضورؐ کی تدفین ہوئی تھی جس کو مجازاً یوم الثلثاء یعنی منگل کا دن بھی کہا جاسکتا ہے۔ اور یوم الاربعاء بھی۔ یا یوں کہئے کہ منگل کی شام کو قبر کی کھدائی وغیرہ امور کو شروع کیا گیا اور رات کے آخری حصہ تک تکمیل ہوئی۔ یوں تدفین کی نسبت منگل کے روز کو بھی ہوگئی۔

امامت ابی بکرؓ کا اہتمام | حدثنا نصر بن علی الجھضمی (الی قولہ) عن سالم بن عبید قال اغمی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضورؐ کو مرض وفات میں بار بار غشی ہوتی تھی اور جب ہوش آتا تو پوچھتے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے یا نہیں۔ معلوم ہوتے پر فرماتے کہ بلالؓ سے کہہ دو کہ نماز کی تیاری کریں اور ابوبکرؓ نماز پڑھائیں

مروا بلالا ان یؤذن الخ حاکم وقت کی ذمہ داری ہے کہ نماز کی اہمیت کے پیش نظر نظام صلواۃ نافذ کرے مسجد کا ڈول۔ کوزہ۔ پانی۔ بجلی اور مؤذن وغیرہ کا بندوبست سب نظام صلواۃ کا جزو اور حکومت وقت کے فرائض میں داخل ہیں۔ اور حضورؐ نے مرض وفات میں بھی اس کا اہتمام رکھا۔ اسی طرح آپؐ نے امام کا تقرر بھی فرمایا۔

ان ابی رجل اسیف۔ صحابہ اگر عزت وجاہ کے طالب ہوتے تو ان میں سے ہر ایک یہ سفارش کرتا کہ میں، میرا باپ۔ یا میرے بھائی بندوں میں سے کوئی امامت کرے۔ لیکن صحابہؓ کا طبقہ اخلاص وللہیت کا طبقہ تھا۔ خود حضرت عائشہؓ حضور اقدسؐ سے ان کے والد کی امامت کروانے کا حکم واپس لینے کی درخواست کرتی ہیں۔ حالانکہ وہ یہ بھی سمجھتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے جسے ہمارے دین کی امامت کے لئے منتخب فرمایا ہے وہی دنیا کے امور میں بھی امامت وقیادت کا حقدار ہوگا۔ گویا یہ امامت امارت دنیوی اور خلافت کی بنیاد بننے والی تھی۔ مگر باایں ہمہ وہ خود کہتی ہیں کہ میرے والد رقیق القلب ہیں۔ بہت جلد غمگین ہونے والے اور نرم دل ہیں اور رسول اللہ صلعم سے عشق ومحبت بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ لہذا واضح ہے کہ آپ کی جگہ خالی دیکھ کر دل پارہ پارہ ہوجائے گا۔ اور آہ وبکا اس کی نماز میں حائل ہو جائے گی۔ اس لئے ان کی جگہ کسی دوسرے کا تقرر کروا دیجئے۔

صواحب یوسفؑ سے تشبیہ | فانکن صواحب یوسف۔ حضورؐ کو کچھ افاقہ ہوا۔ تو حضرت عائشہؓ کے اصرار کا جواب دیتے ہوئے اس مطالبے پر خفگی کا اظہار فرمایا۔ حاصل یہ ہے کہ میں نے ایک حکم دیا ہے۔ اب اس میں چون وچرا اور اس پر نکتہ چینیوں کا تمہیں کیا حق حاصل ہے۔ میرے انتخاب میں جتنی حکمتیں ہیں وہ تم کیا جانو۔ لہذا ان باریکیوں اور نکتہ سنجیوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم عورتیں تو وہ لوگ ہو جنہوں نے حضرت یوسفؑ کو بھی مصائب میں ڈالا تھا۔ اور غلط مشورے دئے۔ اسی طرح تم بھی مجھے غلط مشورے دے کر پریشان کر رہی ہو۔

یہاں پر حضورؐ نے جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ جو یا تو صرف اعزاز وتشریف کے لئے ہے اور معزز ومہذب لوگوں کا طریقہ یہ ہے۔ کہ وہ مخاطب کو جمع کے صیغے سے پکارتے ہیں۔ خواہ وہ مخاطب اس کے بیوی بچوں میں سے

کیوں نہ ہو۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ سفر میں ان کی بیوی جا رہی ہیں۔ مگر وہ کہتے ہیں امکثوا انی انست نارًا لعلّی آتیکم (الآیۃ) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعزازاً اور تشریفاً جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ یا اس وجہ سے جمع کا صیغہ لائے کہ حضرت عائشہؓ کی تائید دیگر ازواج مطہرات نے بھی کی تھی۔ خصوصاً حضرت حفصہؓ تو اکثر باتوں میں حضرت عائشہؓ کے ہمراہ ہوا کرتی تھیں۔ اور ترمذی (باب مناقب ابی بکر) کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ کے ذریعے بھی یہ بات کہلوائی تھی۔

یہاں پر تشبیہ ایک بے موقعہ بات کہنے اور اس پر اصرار کرنے میں ہے۔ یعنی صواحبات یوسفؑ نے بھی یوسفؑ کے سامنے عجیب چال چلی اور بے جا مطالبے میں زلیخا کی سفارش کر دی۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ نے بھی گویا بے محل بات کہہ کر اصرار کیا۔ یا تشبیہ اس میں ہے کہ جس طرح زلیخا نے دعوت کا بہانہ بنایا۔ مگر درحقیقت وہ اپنی سہیلیوں کی طعن و تشنیع کے جواب میں اعتذار اور اپنی مجبوری کا اظہار چاہتی تھی۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی بظاہر رقت قلبی کا بہانہ کرتی ہیں مگر حقیقت میں انہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑا دیکھ کر لوگ اس کے والد کو منحوس سمجھیں گے۔

نبی کریمؐ کی تاکید پر حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھانی شروع کر دی۔ ادھر نبی کریمؐ نے خود یہ منظر دیکھنے کے لئے حضرت بریرہؓ اور ایک اور شخص کا سہارا لیا۔ اور مسجد تک تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سوچا کہ اب تو افضل ترین امام آ چکے ہیں۔ اس لئے نماز میں پیچھے ہٹنے لگے۔ مگر حضورؐ نے آواز دی کہ ٹھہرو اور نماز پڑھو۔ میں تمہاری اقتدا میں نماز پڑھنا دیکھنا چاہتا ہوں۔ ابوبکرؓ نے نماز مکمل کر لی۔ اور رسول اللہؐ نے گویا زبانِ حال سے اعلان کر دیا۔ کہ لوگو! میں نے تمہارے لئے امام اور خلیفہ منتخب کر دیا ہے۔

حضرت عمرؓ حواس گم کر بیٹھے

فقال عمر واللہ لا اسمع احداً الخ عشق و محبت اور دل میں محبوب کی عظمت انتہا کو پہنچ جائے تو انسان کی سمجھ میں محبوب کی موت ناممکن نظر آنے لگتی ہے۔ وہ ہکا بکا اور حیران ہوتا ہے۔ حضور اقدسؐ کی حیثیت تو بڑی اونچی ہے۔ ان سے کم تر لوگ بھی مر جائیں تو عقیدت مندوں کو ان کی موت کا اعتبار نہیں آتا۔ اور اس کی قریب ترین مثال امیر المجاہدین سید احمد شہیدؒ کی شہادت کے وقت نظر آ رہی ہے جب اسلام کے کفن بر دوش سپاہی اولوالعزمی، عالی ہمتی، جفاکشی اور وفا شعاری کا پیکر بن کر مشرقی ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے درہ بولان کے راستے افغانستان چلے جاتے ہیں۔ پھر وہاں سے بے سروسامانی کی حالت میں درہ خیبر کے ذریعے پشاور آ کر اسے فتح کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد یہ قافلہ مجاہدین پیش قدمی کر کے اکوڑہ خٹک آتا ہے اور یہاں پر سکھ حکومت سے ٹکر ہوتی ہے۔

شہادت سید احمد شہید کا جاں نثاروں پر اثر

مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہم نے یہاں دارالعلوم حقانیہ آمد کے

موقع پر ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ مجھے بہت استقراء و تتبع اور تاریخ کو کھنگالنے کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ گذری ہوئی چار پانچ صدیوں سے صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق جہاد پورے قواعد شرعی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہاں سے شروع ہوا۔ اتنی طویل مدت کے بعد سید احمد شہیدؒ نے اسلامی قوانین کی پاسداری کرتے ہوئے پہلے دشمن کو دعوت اسلام دی ورنہ جزیہ یا پھر تلوار سے جہاد کے تیار ہو جانے کی اطلاع دی۔ اور جہاد کے تمام مقدمات کی تکمیل کے بعد اکوڑہ خٹک کے مقام پر حملہ کر کے شہداء نے اپنا خون بہایا۔

اس کے بعد سید صاحب اور اس کے ساتھی اکوڑہ خٹک کے مقام پر شبخون کے بعد قریبی گاؤں شیدو آتے ہیں اور وہاں باقاعدہ کافر افواج سے آمنا سامنا ہوتا ہے۔ جنگ کی رات شیدو سے لے کر یہاں اکوڑہ خٹک اور نوشہرہ تک میدانوں میں تقریباً ایک لاکھ فوج خیمہ زن تھی۔ ہائے اللہ چشم فلک نے کیا منظر اس وادیٔ غیر ذرع میں دیکھا ہو گا۔ رات بھر اللہ اکبر کی گونج اور جہاد کے غلغلوں سے کیا سماں رہا ہو گا۔ یہ جو آپ جہاں بیٹھے ہیں اور یہاں کے ارد گرد اطراف میں سب میدان تھے۔ اور اس چپہ چپہ پر اس رات مجاہدین سربسجود ہو کر گڑگڑائے ہوں گے۔ صبح عین جنگ میں غداری ہو جاتی ہے سید صاحب کو جنگ کی رات زہر دلوایا جاتا ہے۔ اور وہ بیمار اور زار و نزار جہاد میں شریک ہیں۔

بڑی مشکل سے انہیں بچا کر دریائے کابل کے اس پار لے جایا جاتا ہے۔ صحت یاب ہو کر آپ بکھرے ہوئے مجاہدین کو پھر سے جمع کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر - - - - - - - - - - - - -

پھر سے مجاہدانہ کارروائیاں شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تحریک بالآخر آپ کو شہید بالاکوٹ پر لے جاتی ہے جہاں آپ کا محاصرہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی موقعہ پر سید صاحبؒ۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے اکثر جیالے ساتھی جام شہادت نوش فرماتے ہیں۔ مگر سید صاحب اس افراتفری کے عالم میں غائب ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے دشمنوں نے ان کی لاش دریا برد کر دی ہو یا کسی مجاہد نے مزید بے حرمتی سے بچانے کے لئے وہیں کہیں دفن کر دی ہو۔ مگر آپ کے باقی ماندہ ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں نے آپ کی شہادت سے انکار کر دیا۔ بلکہ بعض جید علماء اور صاحب فراست لوگوں تک نے آپ کے متعلق غیبوبۃ کا عقیدہ اپنایا۔ اور کہہ دیا کہ سید صاحب مرے نہیں بلکہ بادلوں میں گئے ہیں اور عنقریب واپس آ کر ہماری قیادت فرمائیں گے۔ اور کفار کو شکست دیں گے۔ ورد جیسے مشہور شاعر نے اسی جذبے کے تحت ہی سید صاحب کے بارہ میں کہا ہے

انتا پیغام درد کا کہنا جب صبا کوئے یار سے گذرے
کونسی رات آپ آئیں گے۔ دن بڑے انتظار سے گذرے

بہرحال ایسی حالت میں انسان ہکا بکا رہ جاتا ہے۔ رحمت کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہوش و حواس مفقود ہو جاتے ہیں۔ اور عقل حقائق واقعیہ کو ناممکن سمجھنے لگتی ہے۔ تو یہاں حضرت عمرؓ بھی جذبات سے

مغلوب تھے۔ حواس کھو بیٹھے تھے اور حیرت زدگی کی کیفیت سے دوچار تھے۔ ان کے خیال میں ساری دنیا کو اسلام کے جھنڈے تلے لانے سے قبل نبی کریمؐ کی موت ناممکن سی بات تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ حضورؐ کی رحلت کی خبر کو منافقین کی اڑائی ہوئی افواہ سمجھ بیٹھے۔ اور اعلان کر دیا کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بارے میں زبان کھولی، اس کی گردن اڑا دوں گا۔ نبی کریمؐ فوت نہیں ہوئے بلکہ اپنے رب سے مناجات کے لئے گئے ہیں۔ اور عنقریب واپس آکر ان منافقین کے ہاتھ پاؤں قلم کریں گے جنہوں نے آپ کی موت کی خبر پھیلائی ہے۔ آپ کی تقریر سن کر بعض لوگ آپ کے ہمنوا بن گئے اور بعض خاموش ہو گئے۔

قال وکان الناس امیین۔ حضرت سالمؓ اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ صحابہ اس دہشت میں کیوں مبتلا ہوئے وہ بتاتے ہیں کہ لوگ ان پڑھ تھے۔ پیغمبروں اور انبیاء کی حیات و موت کا اس سے قبل دیکھنے کا اتفاق پیش نہ آیا تھا لہذا وہ ناواقفیت کی وجہ سے پریشان تھے۔ مگر بعض ذی ہوش صحابہ نے جب دیکھا کہ حضورؐ کی رحلت کا مسئلہ الجھتا جا رہا ہے تو ان کو ابوبکر صدیقؓ کا خیال آیا کہ وہی امت کو اندھیروں کے اس منجدھار سے نکال سکتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے حضرت سالمؓ کو آپ کے پاس بھیجا۔

انطلق الی صاحب رسول اللہ۔ یہاں پر صحابہ نے بیک زبان صدیق اکبرؓ کو "صاحب رسول اللہؐ" کہا ہے عقل و ہوش کا ماتم کرنے والوں کے لئے مقام تدبر ہے کہ وہ کیسے اس شخص کی صحبت سے انکار کر رہے ہیں جس کی صحبت پر خیر القرون کے چھوٹے بڑوں کا اتفاق ہے۔ اور اصلی نام ہی سے اسے پکار رہے ہیں۔ کہ صرف "صاحب رسول اللہؐ" کے الفاظ سے ذکر کئے جاتے ہیں۔

فاتیت ابابکر۔ پہلے گذر چکا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ رحلت کے روز جبل سنح گئے تھے وہاں ایک چھوٹی سی مسجد میں آپ بیٹھے تھے۔ حضرت سالمؓ کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس روتا ہوا آیا۔ آپ نے دور سے دیکھا تو بات سمجھ گئے۔ اور پوچھا کہ کیا حضورؐ وفات پا گئے۔ حضرت سالمؓ نے کہا کہ مجھے تو یونہی معلوم ہو رہا ہے۔ مگر زبان سے کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ ادھر حضرت عمرؓ کی تلوار کا خوف ہے۔ جو کہہ رہے ہیں کہ جس نے کہا کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اس کا سر اڑا دوں گا۔

حضرت ابوبکرؓ حضرت سالمؓ کو لے کر مدینہ آئے۔ حضور اقدس کی جسد مبارک جاں نثاروں میں گھری ہوئی تھی کہا۔ راستہ دو۔ تو راستہ بناتے ہوئے حضورؐ تک پہنچ گئے۔ اور جبین اطہر کو بوسہ دیا۔ اور یہ آیت پڑھی "انک میت وانھم میتون" اس جملہ کے استحضار اور برمحل بیان کی وجہ سے صدیقؓ نے ایک بڑے نزاع کو ختم کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے وفات کی تصدیق فرمائی تو فعلموا ان قد صدق یہ جملہ بار بار آئے گا۔ کہ جب بھی ابوبکرؓ نے کوئی فیصلہ اس سلسلہ میں دیا تو صحابہ کو یقین ہو گیا اور ہر بات پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے کہ بیشک

ابوبکرؓ نے پسح فرمایا۔ اور پھر حضورؐ پر نمازِ جنازہ کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک ایک جماعت اندر جاکر آپؐ پر بلا جماعت نماز پڑھ کر باہر آئے۔ اس طرح سب لوگ نماز پڑھیں گے۔ پھر پوچھا کہ کیا آپ دفن کئے جائیں گے۔ فرمایا ہاں۔ پوچھا گیا کہ کہاں ؟ فرمایا جہاں وفات ہوتی ہے۔ وہی جگہ آپ کا مدفن ہوگا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے قریبی رشتہ داروں کو تجہیز و تکفین کے انتظام پر مامور کیا۔

خلافت صدیقی پر اجماع ادھر خلافت کا مسئلہ چھڑ گیا تھا بات چل رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اٹھ کر فرمایا کہ ہم سب میں سے کون ہے جس میں ایک ہی موقع پر تین فضیلتیں جمع ہوگئی ہوں اور وہ منصوص ہوں۔ ایک تو **ثانی اثنین اذھما فی الغار** حضور اقدسؐ کے ساتھ اتحاد و معیت اور بالکل تنہائی کی رفاقت۔ دوسری **اذیقول لصاحبہ** کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ ابوبکر کو حضورؐ کا ساتھی اور صحابی فرما رہے ہیں۔ شیعہ لاکھ کہیں کہ وہ صحابی نہیں مگر قرآن نے خود اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ ابوبکر صحابی ہیں۔ تیسری **ان اللہ معنا** کہ اللہ تعالیٰ کی معیت ابوبکرؓ کو بھی اس نص سے حاصل ہوئی۔ کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم ہی بتلاؤ کہ وہ دو کون تھے۔ ثانی اثنین میں جن کا ذکر ہے۔ پھر اور بھی گفتگو ہوتی رہی جس کی تفاصیل دیگر روایات سے معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اے انصارِ مدینہ کیا حضورؐ نے ابوبکرؓ کو اپنے مصلیٰ پر کھڑا کر کے علالت میں نماز نہیں پڑھوائی تھی۔ کیا تم میں سے کوئی یہ گوارا کر سکے گا کہ حضورؐ کے کھڑے کئے ہوئے شخص کو امامت سے ہٹا دے۔ انصار نے فرمایا معاذ اللہ! ہم یہ جرأت کہاں کر سکتے ہیں ؟ پھر حضرت عمرؓ نے ہاتھ بڑھایا اور حضرت ابوبکرؓ سے بیعت ہوئے۔ اس کے بعد سقیفہ بنو ساعدہ میں اکٹھے ہوئے سب لوگوں نے بڑی محبت و رغبت سے بیعت کی۔

وبایعہ الناس بیعۃً حسنۃً جمیلۃً یہ ابتدائی بیعت تھی جو مجلس انصار میں ہوئی۔ دوسرے روز مسجد نبویؐ میں بیعت عامہ ہوئی۔ جس میں حضرت عمرؓ نے افتتاحی خطاب فرمایا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے اپنا شہرۂ آفاق خطبہ دیا۔

حدثنا نصر بن علی (الی قولہ) عن انس بن مالک قال لما وجد رسول اللہ الخ

واکرباہ - فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے محبوب والد کی تکلیفیں اور شدائد دیکھیں تو ضبط نہ ہو سکا اور غم و تحسر کا اظہار فرمایا کہ ہائے ابا کی تکلیفیں۔

لاکرب علی ابیک بعد الیوم حضورؐ نے پیاری بیٹی کو تسلی دی کہ یہ شدائد ان نعمتوں کے مقابلے میں ہیچ ہیں جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے ہی " **ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ** " میں فرمایا ہے۔ اب تو دار المحن سے رخصت ہو کر مقام محمود پہنچنا ہے۔ اور رفیق اعلیٰ سے ملاقات کرنی ہے۔ اس لئے آج سے تیرے باپ کی تکالیف کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ تیرے والد پر وہ نہ ٹلنے والی چیز اتری ہے جو قیامت تک کسی سے ٹلنے

(الی نہیں الوفاۃ یوم القیامہ

غمگساروں کے لئے تسلی کا سامان | حدثنا ابوالخطاب (الی قولہ) سمع ابن عباس یحدث انہ سمع رسول اللہ ص یقول من کان لہ فرطان من امتی ادخلہ اللہ بہما الجنۃ فقالت عائشۃ فمن کان لہ فرط من امتک قال ولمن کان لہ فرط یا موفقۃ الخ

اس حدیث کا بظاہر وفات النبی ص سے تعلق نہیں لیکن اس باب سے مناسبت ضرور ہے۔ اور وہ یہ کہ اس حدیث میں تسلی دلائی ہے کہ امت کے لئے جب رحلت النبی کی وجہ سے دکھی ہونا ہے اور یہی کیفیت ہوئی کہ صحابہ رض نے عمر بھر اس دکھ کو سینے سے لگائے رکھا اور جب میت کی تعزیت کے لئے جاتے تو اس کی موت پر تعزیت سے قبل حضور ص کے فراق پر تعزیت فرماتے تو وفات النبی ص کے بیان کے بعد اس حدیث میں عشاق کے غمزدہ دلوں کے لئے تسلی کا سامان بھی موجود ہے۔

گویا امام ترمذی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ص کی رحلت بڑا المیہ، سانحہ کبریٰ اور عظیم حادثہ ہے جس طرح خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"لن یصابوا بمثلی" یعنی میری امت کو بہت سے مصائب پیش آتے ہیں بہت سی محبوب اشیاء سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ مگر میرے فراق جیسا عظیم غم اور میری رحلت جیسی مصیبت کبھی بھی نازل نہیں ہو سکتی۔ مگر امت کے لئے یہ فاجعہ ناقابل برداشت دکھ ہونے کے ساتھ ساتھ رحمت کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ وہ یوں کہ جس طرح باپ کو بیٹے کی موت پر صبر کا بدلہ جنت کی صورت میں ملتا ہے۔ یونہی نبی کریم ص بھی غمزدہ امتیوں کی شفاعت کر کے نجات کا سبب بنیں گے جس کے دو بچے داغ جدائی دے کر ذخیرۂ آخرت بن جائیں یا ایک بچہ بھی تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے والدین کو ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے۔

یا موفقہ یعنی تجھے خیر کی توفیق دی گئی ہے۔ سوالات کے ذریعے بات کی توضیح کر کے کوئی اغماض باقی نہیں رہنے دیتی۔

حضرت عائشہ رض کو اپنی فکر تھی۔ ان کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی۔ لہذا یہ سوال کر دیا فمن لم یکن لہ فرط من امتک قال فانا فرط لامتی لن یصابوا بمثلی کہ جس کا ایک بچہ بھی نہ مرا ہو تو حضور ص نے فرمایا — کہ میں خود ان کے لئے ذخیرۂ آخرت اور فرط بنوں گا۔ کیونکہ میری جدائی اور وفات کا صدمہ اور رنج و الم تو سب سے زیادہ ہو گا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمْ!

Adarts SUA-4/84

بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے
"لباس التقوٰی ذٰلک خیر"

از عبداللہ سید کوئی ندوی

قسط دوم

علامہ بُرہان الدّین مَرغینانی
صاحبِ ھدایہ

دورِ طالب علمی پر ایک سرسری نظر
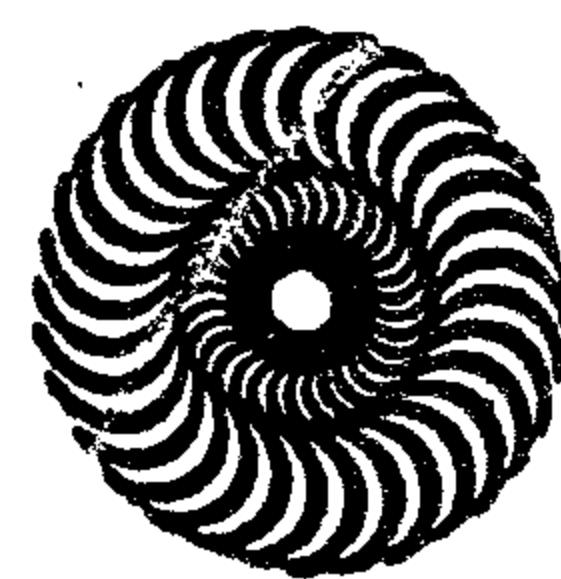
طلب علم کی راہ میں صاحب ہدایہ نے اپنے زمانہ کے مشہور علمی و دینی مراکز کا سفر کیا۔ اور اپنے وقت کے مشاہیر علماء و مشائخ سے استفادہ کیا۔ ان کا حافظہ ایسا تھا کہ بچپن میں جو کچھ یاد کر لیا وہ آخر عمر تک محفوظ رہا[۱] وہ اپنی ذہنی و اخلاقی خوبیوں کی وجہ سے اپنے اساتذہ کے یہاں بھی لائق تحسین اور قابل تعریف قرار پائے۔ شیخ الاسلام اسبیجابی نے انہیں افتاء کی سند دی۔ تو اس میں ان کے بارے میں تحسین کے الفاظ یاد فرمائے اور تفصیل سے ان کی خوبیوں کا ذکر کیا[۲]

برہان الائمہ الصدر الشہید، دورِ طالب علمی میں صاحب ہدایہ کا بے حد اکرام کرتے اور اپنے خاص خاص اسباق میں بھی ان کو اپنے مخصوص تلامذہ میں شمار کرتے اور وہ جہاں ضرورت سمجھتے اپنے اساتذہ کے سامنے بحث و تحقیق سے کام لیتے تھے[۳]

انہوں نے عربی اور فارسی[۴] زبان و ادب، نحو و صرف اور علوم بلاغت و بیان، اصول فلسفہ و علم کلام۔ فقہ و حدیث تربیت افتاء و تدریس اور فنون خلافیات و مناظرہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے ایک عزیز نفیس بن اسحاق مرغینانی کا انتقال ۵۲۷ھ میں ہوا۔ صاحب ہدایہ کی عمر اس وقت ۱۵۔۱۶ برس کی تھی۔ ملاقات اس سے بھی پہلے ہوئی ہوگی۔ انہوں نے صاحب ہدایہ کو عربی اشعار کے ذریعہ اپنا مخاطب بنایا۔ ان کے اساتذہ میں الصدر الشہید کا انتقال ۵۳۶ھ اور الاسبیجابی کا انتقال ۵۳۷ھ میں ہوا ہے۔ جب کہ وہ ۲۵۔۲۶ برس کے رہے ہوں گے۔ اور زمانہ تلمذ تو یقیناً اس سے قبل کا ہے ان حضرات سے مذکورہ علوم کی تحصیل اور عنفوانِ شباب ہی میں تعلیمی مراحل سے فراغت پا لینے کے باوجود وہ ایک سچے طالب علم کی طرح، اصحاب کمال سے استفادہ کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ خاص طور پر حدیث شریف سے ان

۱؎ الجواہر ج ۱ ص ۳۶۰ ۲؎ ایضاً ج ۱ ص ۱۴۳ ۳؎ ایضاً ج ۱ ص ۱۹۰ ۴؎ التجنیس کے مختلف اوراق

کے تعلیمی شغف اور اس فن کی اسنادِ عالیہ کے حصول کی کوششوں کا ۵۴۵ھ تک سراغ ملتا ہے جب کہ ان کی عمر ۳۴ برس کی تھی۔ حدیث و فقہ کی بعض خاص خاص کتابوں کا انہوں نے ایک سے زیادہ اساتذہ سے درس لیا ہے۔ اسی لئے علامہ جمال الدین بن مالک نے یہ رائے دی ہے کہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی آٹھ علوم کے ماہر تھے[1]

وہ اپنے اساتذہ کی خصوصی توجہات کا مرکز رہے۔ چنانچہ اساتذہ نے اپنے اپنے دستِ خاص سے اسنادِ تعلیمی لکھ کر عنایت فرمائیں۔ الامام الزاہد محمد بن ابی بکر الخطیب البوسنجی نے التفسیر الوسیط للواحدی کا ایک نسخہ خود نقل کر کے ان کے سپرد کیا[2] ان کے اساتذہ میں وہ بھی ہیں جو اپنے تدین اخلاص ذکر و عبادت اور للہیت کی بنا پر "الزاہد" ہی کے لقب سے معروف تھے۔ مثلاً امام ابوبکر بن زیاد الزاہد الخطیب۔ ابوبکر بن حاتم الرشدانی۔ الامام الحکیم الزاہد وغیرہ اس نسبت تلمذ سے مؤلف ہدایہ کے ذہن و ذوق اور افتادِ طبع کی بھی نشو و نما اچھی طرح ہوئی۔

ان کے اساتذہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کو چار چار واسطوں سے امام بخاری و امام مسلم۔ پانچ واسطوں سے امام ترمذی اور نو واسطوں سے امام ابوحنیفہ اور ایک واسطہ سے امام سرخسی اور امام ابوالحسن بزدوی کی شاگردی اور ان کی کتب و روایت حدیث کی اجازت کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان کے اساتذہ میں امام ابوحفص عمر بن محمد نسفی (م ۵۳۷ھ) کو ۵۰۰ اساتذہ سے روایت حدیث حاصل تھی۔ جن کے انتقال کے وقت صاحب ہدایہ ۲۶ برس کے تھے۔ اور ان سے تلمذ کا زمانہ یقیناً اس سے بھی پہلے کا ہے۔ کیونکہ شیخ اسبیجابی سے ان کو ۵۳۰ھ یا اس سے بھی پہلے تلمذ حاصل ہو چکا تھا۔ اور سمرقند میں صاحب ہدایہ کی آمد مرغینان میں ان کے تالک کے انتقال کے بعد ہی ان کی طالب علمی کے دوسرے دور میں ہوئی تھی۔

عام کمالات | علامہ مرغینانی مختلف علوم کے جامع۔ فقیہ۔ محدث۔ محقق۔ صاحب نظر عالم و دقیقہ رس امام، زاہد و عابد۔ اصولِ شریعت میں باکمال۔ علوم عربیت میں ماہر ادیب و شاعر تھے۔ علم و ادب میں ان کا مثل نظر نہیں آتا۔ خلافیات میں انہیں بڑی مہارت تھی۔ اور حنفی مسلک پر انہیں کامل عبور تھا[3]

ان کے معاصر ائمہ، امام زین الدین العتابی[4] امام فخر الدین قاضی خاں محیط اور ذخیرہ کے مؤلف الصدر الامام محمود بن احمد بن عبدالعزیز اور فتاویٰ ظہیریہ کے مؤلف ظہیر الدین محمد بن احمد بخاری[5] وغیرہ نے امام برہان الدین مرغینانی کے فضل و مرتبہ کا اعتراف کیا ہے۔ وہ بہت جلد اپنے علم و تبحر کی وجہ سے اپنے شیوخ اور اقران سے بھی فائق ہو گئے۔ اور ہدایہ اور کفایۃ المنتہی کی تصنیف کے بعد لوگوں کی نظروں میں اور بلند ہو گئے[6]

ادب و شاعری | وہ عربی زبان کے ادیب و شاعر تھے۔ عربی زبان میں ان کی مہارت اور کمال انشا پردازی کا ثبوت

---

[1] الجواہر ج ۱ ص ۳۸۴ [2] ایضاً ج ۱ ص ۳۵ [3] الفوائد البہیۃ ص ۱۴۱ [4] الجواہر ج ۱ ص ۳۴۴ [5] الفوائد ص ۱۵۸ [6] الجواہر ج ۱ ص ۳۸۳

ان کی تصنیفات خصوصاً ہدایہ ہے۔ ان کے شعری کمال کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ ان کے شاگرد برہان اسلام زرنوجی نے اپنی کتاب تعلیم المتعلم کی دوسری فصل میں لکھا ہے کہ میرے استاد اور جلیل القدر امام نے ایک بار یہ شعر سنایا۔

فساد کبیر عالم متهتك   واكبر منه جاهل متنسك

هما فتنة في العالمين عظيمة   لمن بهما في دينه متمسك

دین کے بارے میں بے عمل عالم کا وجود بہت بڑا فتنہ ہے اور اس سے بھی بڑا فتنہ جاہل عبادت گذار ہے دنیا میں یہ دونوں اس شخص کے لئے بہت بڑا فتنہ ہیں۔ دو رطالب علمی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بہت سے ایسے اساتذہ ہیں جن سے میں استفادہ نہیں کر سکا۔ اور اس نقصان پر یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

لهفي على فوت ... اللیالی لهفي   ما كل مافات ويبقى يلغى

زمانہ کی دی ہوئی فرصت کے ضائع ہوجانے پر افسوس ہے ورنہ جو لوگ رہ گئے وہ ایسے نہ تھے کہ ان کو چھوڑ دیا جاتا۔

علامہ برہان الدین نے اپنے معجم الشیوخ میں اپنے نانا عمر بن حبیب (الجواہر ۱/ ۳۹۰) شیخ عمر نسفی (۱/ ۳۹۲) شیخ ابوبکر بن حاتم رشدانی (۲/ ۲۶۲) شیخ ابوبکر بن زیاد مرغینانی (۲/ ۳۴۳) اور شیخ عبداللہ بن ابی الفتح الخانقاہی المرغینانی (۱/ ۲۸۱) کے اشعار نقل کئے ہیں۔ ایک بار ان کے استاد امام ضیاء الدین صاعد بن اسعد مرغینانی نے [illegible] کا یہ شعر سنایا۔

اذا ضاق بي ذرع الكرام ولم اجد   تحولت عن تلك الديار واهلها

جب اہل کرم کے ہاتھ میرے لئے تنگ ہوجاتے ہیں اور بے نیل و مرام رہ جاتا ہوں تو میں اس علاقہ اور وہاں کے باشندوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہوں۔

مؤلف ہدایہ اپنے معجم الشیوخ میں مندرجہ بالا شعر کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ معنی و مفہوم کے اعتبار سے مجھے مذکورہ شعر کے مقابلہ میں کسی شاعر کا درج ذیل شعر زیادہ پسند ہے۔

اذا كنت في دار يهينك اهلها   ولم تك مقبولا بها فتحول[1]

جس مقام کے باشندے تم کو کم تر سمجھیں اور تم ان کے لئے پسندیدہ خاطر نہ ہو تو اس جگہ سے کنارہ کش ہو جاؤ

زہد و تقویٰ اور فراست ایمانی

شیخ الاسلام برہان الدین، ہدایہ کی تصنیف میں تیرہ برس مصروف رہے اس دوران وہ پابندی سے روزہ رکھتے اور اس بات کے لئے کوشاں رہتے کہ کسی کو ان کے روزہ کی خبر نہ ہو ان کے اسی زہد و تقویٰ کا اثر ہے کہ ان کی یہ کتاب اہل علم میں مقبول ہوئی[2]

اس کی تصنیف کے زمانہ میں خادم کھانا لاتا تو اسے رکھ کر چلے جانے کا حکم دیتے اور کھانا کسی طالب علم یا مہمان کو کھلا

---

[1] الجواہر ۱/ ۳۶۰ [2] کشف الظنون نمبر ۲۰۳۲

دیتے۔ خادم آکر برتنوں کو خالی پاتا تو یہ سمجھتا کہ آپ نے تناول فرمالیا ہے[1]

صاحب ہدایہ کے سوانحی حالات کی کمیابی کی ایک وجہ، غالباً ان کی یہی اخفاپسندی بھی ہے۔ اتباعِ سنّت کے سلسلے میں اکابر فقہاء محدثین کا یہ معمول رہا ہے کہ جن امور سے متعلق قوی روایت نہ ہوتی ضعیف روایت ہی ملتی۔ یہ حضرات عام حالات میں اپنے ذوق و قیاس کے مقابلہ میں اس ضعیف روایت پر عمل کو ترجیح دیتے چنانچہ مؤلف ہدایہ کے بارے میں ان کے ایک شاگرد برہان الاسلام زرنوجی اپنی کتاب تعلیم المتعلم میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے حلقہ کے اسباق کا آغاز چہارشنبہ کے انتظار میں روکے رہتے اور اس بارے میں ایک حدیث شریف بھی روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"جو کام بدھ کے دن شروع کیا جاتے وہ پورا ہو کر رہتا ہے"[2]

مولانا فرنگی محلی نے اس روایت پر الفوائد البہیۃ میں تفصیل سے بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم کی صحیح الاسناد روایات سے بھی تائید ہوتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مؤلف ہدایہ کے اس طرز عمل کی وجہ سے ہندوستان کے مدارس میں بھی چہارشنبہ سے آغاز درس کا معمول ہو گیا[3]

صاحب ہدایہ کی فراست ایمانی کا ایک عجیب واقعہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے شیخ برہان الدین بلخی سے متعلق نقل کیا ہے۔ مولانا برہان الدین بلخی کہتے ہیں کہ میں تقریباً پانچ برس کا خوردسال بچہ تھا اور اپنے والد کے ہمراہ کہیں جا رہا تھا سامنے سے صاحب ہدایہ مولانا برہان الدین مرغینانی کی سواری آئی۔ میرے والد ہجوم کی وجہ سے دوسرے راستہ پر پڑ گئے۔ شیخ کی سواری قریب آئی تو میں نے بڑھ کر سلام کیا۔ انہوں نے میری طرف تیز نظروں سے دیکھا اور فرمایا کہ مجھے اس بچہ میں نورِ علم نظر آتا ہے۔ یہ بات سن کر میں ان کے آگے آگے چلنے لگا۔ پھر فرمایا۔ خدا مجھ سے یہ کہلواتا ہے کہ یہ بچہ اپنے عہد میں علّامۂ زماں ہوگا[4]

میں نے یہ بات سنی اور شیخ کی سواری کے ساتھ چل پڑا۔ پھر فرمایا کہ

"خدا مجھ سے یہ کہلواتا ہے کہ یہ لڑکا اس قدر عظیم ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازہ پر حاضری دیں گے۔"[5]

برہان الدین محمود بن ابو الخیر بلخی (م ۶۸۷ھ) سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے اکابر علماء میں سے تھے۔ فقہ و حدیث، اور دیگر علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع فنون رسمیہ و عرفیہ کے ماہر، اور ادیب و شاعر تھے۔ امام صغانی سے مشارق الانوار کا براہِ راست درس لیا تھا۔ حوض شمسی (دہلی) کے شرقی جانب ان کی قبر ہے۔

<u>فقہ کی طرف توجہ کا اصل سبب</u> | علامہ برہان الدین کا اصل فن حدیث و فقہ تھا۔ جس میں انہوں نے غیر معمولی کمال

---

[1] مقدمۃ الہدایہ ص ۳ [2] الجواہر ج ۱ ص ۳۸۴ [3] الفوائد ص ۸۵ [4] فوائد الفوائد فارسی ص ۴۰۶ مطبوعہ لاہور [5] ایضاً

[6] ردالمحتار ج ۱ ص ۲۸ [7] مناقب ابی حنیفہ (ذیل الجواہر المضیئۃ ج ۲ ص ۵۹ ۵)

حاصل کیا۔ اور ہدایہ جیسی عظیم کتاب تالیف فرمائی۔ فقہ کی طرف ان کی توجہ کا ایک خاص سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے جد مادری کی آغوش شفقت میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ جو فقہ و کلام کے متبحر عالم اور امام سرخسی کے براہ راست شاگرد تھے اور انہوں نے صاحب ہدایہ کو یہ نصیحت کی تھی کہ

تعلّم یابُنی العلم وافقہ ۔۔۔ وکن فی الفقہ ذا جد ودائب

ولا تلک مثل حبال تراہ ۔۔۔ علی مر الزمان الی وراء [1]

۱۔ اے بیٹے علم سیکھو اور اس میں سمجھ پیدا کرو اور فقہ کے بارے میں خاص طور پر غور و فکر اور محنت سے کام لو۔

۲۔ میں نے تمہاری اس وقت پرورش اور پرداخت کی ہے جب تم نحیف و نزار تھے جیسے رسیاں کہ وہ پھر دوبارہ کمزور ہونے لگتی ہیں۔

اس کے علاوہ ان کے استاد شیخ ظہیر الدین (زیاد بن الیاس ابو المعالی) جو براہ راست امام ابو الحسن بزدوی کے شاگرد تھے۔ ان سے استفادہ کرنے کے لئے قاضی محمد بن فضل اصبہانی نے صاحب ہدایہ کو بطور خاص درج ذیل اشعار کے ذریعہ تاکید اور نصیحت کی تھی۔

اسعد فقد نلت لقیا افضل الناس ۔۔۔ ابی المعالی زیاد نجل الیاس

تم خوش قسمت ہو کہ لوگوں میں سب سے بہتر آدمی الیاس کے فرزند زیاد ابو المعالی سے تمہاری ملاقات ہو گئی ہے

وانزل بنادیۃ تلقی المجد مبتسما ۔۔۔ والفضل فی نفحات الورد والآس

ان کی مجلسوں میں وقت گذارو مہکتی اور نسیم ریز ہواؤں میں تم عزت اور شرف پاؤ گے۔

ولذبہ من زمان جائر نکد ۔۔۔ فما بجرح اللیالی غیرہ آسی

زمانہ کی ستم رانیوں سے بچنے کے لئے ان کی پناہ لو۔ اس لئے کہ زمانہ کے زخموں پر وہی غم خواری کریں گے۔

ان لم تحط بمداہ فی فضائلہ ۔۔۔ فقسہ فالشیئ قد یدری بمقیاس

فضائل و مناقب میں ان کا احاطہ نہ کرسکو تو بھی ان کی مثال سامنے رکھو پیمانہ سے ہر ایک چیز کو سمجھا جا سکتا ہے

جود البرامک فی نطق بن ساعدہ ۔۔۔ فی حکم احنف فی فضل بن عباس [2]

وہ برامکہ کی طرح سخی، ابن ساعدہ جیسے فصیح، احنف کی طرح منصف اور ابن عباس کی طرح مفضل والے ہیں

صاحب ہدایہ کے معاصرین اور فقہ میں علامہ مرغینانی کا مقام | ماوراءالنہر اور عالم اسلام کے دوسرے حصوں میں صاحب ہدایہ کے اہم معاصر علماء یہ ہیں۔

---

[1] الجواہر ج ا ص ۳۹۰ [2] ایضاً ص ۲۴۶

احناف میں امام ابوبکر بن مسعود کاسانی مصنف البدائع والصنائع (م ۵۸۷ھ) امام فخر الدین حسن قاضی خان مؤلف فتاویٰ وغیرہ (م ۵۹۲ھ) شافعی علماء میں امام ابراہیم ابن منصور عراقی مصری شارح المہذب م ۵۹۶ھ اور علامہ ابن ابی عصرون تمیمی موصلی مؤلف صفوۃ المذہب (م ۵۸۵ھ) اور مالکی علماء میں علامہ محمد بن رشد مؤلف بدایۃ المجتہد (م ۵۹۵ھ)

علامہ ابن رشد اگرچہ مالکی مسلک کے پیرو ہیں لیکن انہوں نے بدایۃ المجتہد میں تمام مذاہب فقیہہ کے دلائل اور ان کے طریقہ استنباط سے بحث کی ہے ان کی بحثوں کا انداز مجتہدانہ ہے۔ پھر بھی وہ اپنی اس کتاب میں فقیہ کے بجائے ایک محدث کی حیثیت سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے بھی، علامہ ابن رشد کی طرح فقہ کے دیگر مکاتب فکر اور ان کے دلائل بیان کئے ہیں۔ لیکن ان کا کام ابن رشد کے مقابلہ میں تین حیثیتوں سے ممتاز نظر آتا ہے۔

۱۔ خالص قانونی اور فقہی ترتیب اور انداز بیان۔

۲۔ قرآن وحدیث اور اصول اجتہاد کی روشنی میں فقہ حنفی کی ترجیح۔

۳۔ نقلی دلائل کے ساتھ ہی عقلی دلیلوں اور امور عامہ سے استدلال۔

مولانا انور کشمیری فرماتے تھے کہ صاحب ہدایہ کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ درمختار کے مؤلف جیسے ہزار فقیہ بھی ان کے مقام بلند تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہدایہ کے مؤلف فقیہ النفس ہیں جن کا سینہ علم و معرفت کا گنجینہ ہے اور درمختار کے مؤلف کا علم اوراق و کتب کا مرہون منت ہے ع

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

(مقدمۃ نصب الرایہ ص ۱۴)

اجتہاد، تخریج، ترجیح، اور جمع و تدوین مسائل کے لحاظ سے اہل فقہ نے فقہا کی درجہ بندی کی ہے جس سے ان کے مقام و مرتبہ کے تعین میں آسانی ہو جاتی ہے۔

شیخ احمد بن سلیمان بن کمال پاشا (م ۹۴۰ھ) علامہ ابن عابدین شامی کے نزدیک[1] امام جلال الدین سیوطی سے زیادہ دقیقہ رس اور صاحب فہم و نظر عالم تھے۔ اور متاخر فقہاء احناف میں ان کی آراء و تحقیقات کو نظر اعتبار سے دیکھا گیا ہے۔ ابن کمال پاشا نے اپنے ایک "رسالۃ الوقف" میں فقہاء کی جو درجہ بندی کی ہے اس کو علی القاری نے اپنی کتاب مناقب ابی حنیفہ میں نقل کیا ہے[2]۔ ہم یہاں اس کے خلاصہ ہی پر اکتفا کریں گے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] ردالمختار ج ۱ ص ۲۸　[2] مناقب ابی حنیفہ (ذیل الجواہر المفیئۃ ج ۲ ص ۵۵۹)

علامہ ابن کمال پاشا نے فقہا کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے :۔

۱۔ مجتہدین فی الشرع، جن کو مجتہد مستقل بھی کہتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ

۲۔ مجتہدین فی المذہب، جن کو مجتہد منتسب بھی کہا جاتا ہے جیسے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام مزنیؒ وغیرہ

۳۔ مجتہدین فی المسائل، جیسے خصاف، ابوجعفر طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ سرخسی، شمس الائمہ حلوانی۔ فخرالاسلام بزدوی، فخرالدین قاضی خان وغیرہ۔

۴۔ اصحاب تخریج۔ جیسے امام ابوبکر جصاص رازی وغیرہ۔

۵۔ اصحاب ترجیح۔ جیسے امام ابوالحسن قدوری۔ امام برہان الدین مرغینانی مؤلف ہدایہ وغیرہ

۶۔ اصحاب تمیز و تصحیح۔ مثلاً کنز و درمختار، وقایہ و مجمع[1] وغیرہ کے مؤلفین۔

۷۔ مقلدین غیر متمیز بین جن کے لئے قوی اور ضعیف میں تمیز اور وجوہ تصحیح کو سمجھنا اور پرکھنا دشوار ہے۔

مذکورہ بالا تقسیم میں قاضی خاں کو تیسری قسم میں اور صاحب ہدایہ کو پانچویں قسم میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ :۔

" مذکورہ بالا تقسیم پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ صاحب ہدایہ کسی طرح بھی قاضی خان سے کم نہیں دلائل کی پرکھ اور مسائل کے استنباط میں، صاحب ہدایہ واقعی کتنے بلند ہیں۔ اس لئے وہ اجتہاد فی المذہب کے رتبہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور مجتہدین فی المذہب میں ان کو شمار کرنا ہی قرین عقل ہے "

مولانا فرنگی محلی نے صاحب ہدایہ کو دوسرے طبقہ مجتہدین فی المذہب" یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ کی صف میں جگہ دی ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ مفتی احمد بن کمال پاشا نے دوسرے طبقہ کے بارے میں یہ لکھا ہے :۔

دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذہب کا ہے، جیسے ابو یوسفؒ، محمدؒ اور باقی تلامذہ ابوحنیفہؒ یہ لوگ قرآن و حدیث اور اجماع و قیاس سے ان اصول کی روشنی میں مسائل کا استنباط کرتے ہیں جو امام ابوحنیفہؒ نے مقرر کر دئے ہیں۔ انہوں نے اگرچہ بعض فروعی مسائل میں امام سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن بنیادی اصول میں وہ امام کی تقلید کرتے ہیں اور اس طرح وہ امام شافعیؒ وغیرہ سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ امام شافعیؒ اور ان کی طرح کے دوسرے ائمہ، امام ابوحنیفہؒ سے صرف اصول ہی میں نہیں بلکہ مسائل اور فروع میں بھی اختلاف رکھتے ہیں

---

[1] معجم المصنفین ج ۱ ص ۱۵۴ سے مراد مجمع البحرین ہے

علامہ مرغینانی کی تصنیفات ہدایہ وغیرہ کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اصول و فروع دونوں میں اپنا استقلال ظاہر نہیں کیا۔ اس لئے ان کو مجتہدین فی المذہب کے طبقہ میں شمار کیا جانا درست نہیں۔ وہ تو مجتہدین فی المسائل یعنی تیسرے طبقہ تک کی تصریحات کے پابند نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ رائے جس میں دو پہلوؤں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ واضح نہ ہو یا ایسا مبہم حکم جس میں دو باتوں کا احتمال نکلتا ہو۔ اس میں تفصیل و تبیین بھی (جو چوتھے طبقہ یعنی اصحاب تخریج کی خصوصیت ہے) صاحب ہدایہ خود نہیں کرتے بلکہ کذا فی تخریج الکرخی اور کذا فی تخریج الرازی وغیرہ جیسے الفاظ کے ذریعہ دوسروں ہی کی تخریجات نقل کر دیتے ہیں۔

ان کے یہاں اوفق للقیاس وہذا ارفق للناس کے الفاظ بکثرت ملتے ہیں۔ جو اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ وہ اصحاب ترجیح میں سے ہیں اور جن مسائل میں ائمہ اجتہاد یا اصحاب تخریج کی کئی روایتیں منقول ہیں۔ صاحب ہدایہ ان میں سے کسی ایک رائے کی ترجیح واضح کر دیتے ہیں۔ اور کہیں کہیں وجوہ ترجیح کی طرف اشارہ بھی فرما دیتے ہیں۔ شیخ شہاب الدین ابن برہان الدین مرجانی (م ۱۳۰۶ھ قازان) اپنی کتاب (ناظورۃ الحق فی فرضیۃ العشاء وان لم یغب الشفق) میں لکھتے ہیں کہ

> صاحب ہدایہ کا مقام قاضی خاں سے فروتر نہیں۔ صاحب ہدایہ کی تو امام فخر الدین قاضی خاں وغیرہ نے بھی تعریف کی ہے اور یہ اقرار کیا ہے کہ وہ اپنے شیوخ اور ہم زمانہ لوگوں پر تفوق اور امتیاز رکھتے تھے۔ اس لئے صاحب ہدایہ کو قاضی خاں کے مقابلہ میں فروتر حیثیت (پانچویں طبقہ میں) دینا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اجتہاد، اس کے اصول اور طریقہ کار کے معاملہ میں صاحب ہدایہ، قاضی خاں سے بڑھ کر ہیں[1]

لیکن شیخ مرجانی کی اس گفتگو سے صرف اتنا واضح ہوتا ہے کہ قاضی خاں کو تیسرے طبقہ میں شمار کرنا ہی اصل میں محل نزاع ہے۔ اس موقع پر ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ فقہائے احناف نے چوتھی صدی ہجری کے بعد کیا اجتہاد فی الشرع یا اجتہاد فی المذہب کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ یا یہ کہ انہوں نے صرف اپنے ائمہ کے اصول و فروع کے مطابق تخریج اور ترجیح ہی کی راہ اختیار کی تھی۔ علامہ طاش کبری زادہ (م ۹۶۲ھ) اپنی کتاب مفتاح السعادہ میں لکھتے ہیں کہ

> " قدیم فقہا جو دوسری اور چوتھی صدی ہجری کے درمیان ہوئے ان میں اجتہاد اور ترجیح کا پہلو غالب ہے۔ اور متاخر فقہا جو چوتھی صدی ہجری کے بعد ہوئے ان

---

[1] حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی ص ۹۲ لکوثری مطبوعہ قاہرہ ۱۳۶۸ھ

---

[1] الجواہر ج ۲ ص ۹۹ [2] الفوائد البہیۃ ص ۵۷ [3] عجائب المقدور فی اخبار تیمور۔ تاریخ تیموری ص ۲۲۶ [4] الجواہر ج ا ص ۴

میں صرف ترجیح ہی کو وصف غالب کی حیثیت حاصل ہے"[1]

اس لئے چوتھے اور پانچویں طبقے میں شمار کئے جانے والے اکابر فقہا بھی، اگرچہ کبھی اجتہاد فی المسائل بھی کرتے رہے ہوں مگر ان پر تخریج اور ترجیح کا فقہی رنگ ہی غالب اور نمایاں تھا جس طرح کہ وہ لوگ جن کو تیسرے طبقہ میں شمار کیا گیا ہے۔ ان کا بھی وصف غالب یہی ہے۔ اس لئے ان تینوں طبقات کی تقسیم یا ان میں فرق مراتب کی ضرورت نہ تھی۔ تینوں کو بآسانی مجتہدین فی المسائل کے طبقہ سوم میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

تلامذہ و مستفیدین | قرشی نے لکھا ہے کہ علامہ مرغینانی کے ذریعہ ماوراء النہر (جس کا ایک صوبہ فرغانہ بھی تھا) میں حنفی فقہ کی نشر و اشاعت ہوئی۔ اور کثیر تعداد نے ان سے استفادہ اور ان کی تعلیم و تدریس کے ذریعہ کمال پیدا کیا[2] ہم یہاں چند لوگوں کے نام درج کرتے ہیں۔

۱۔ شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری (الجواہر ج ۲ صفحہ ۸۲)

۲۔ شیخ جلال الدین محمود بن الحسین استروشنی (جو الفصول الاستروشنیہ کے مؤلف مفتی محمد کے والد گرامی ہیں۔ (الفوائد البہیہ صفحہ ۷۵)

۳۔ القاضی الامام عمر بن محمود بن محمد (الجواہر جلد ۲ صفحہ ۳۹۹)

۴۔ قاضی القضاۃ محمد بن علی بن عثمان سمرقندی (الجواہر جلد ۲ صفحہ ۹۴)

۵۔ امام ابوالفضائل فخر الدین المجد بن نصر وہستانی (الجواہر جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

۶۔ برہان الاسلام زرنوجی مؤلف تعلیم المتعلم (الفوائد صفحہ ۷۵، الجواہر جلد ۲ صفحہ ۳۸۴)

ان تلامذہ میں علامہ مرغینانی کے صاحبزادے بھی ہیں جن کا آئندہ سطروں میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

اولاد و احفاد | علامہ مرغینانی کے صرف دو صاحبزادے تھے۔

۱۔ شیخ الاسلام نظام الدین ابوحفص عمر بن علی، اپنے والد گرامی سے تعلیم حاصل کی۔ فقہ میں خاص طور پر کمال حاصل کیا۔ اور افتاء کے منصب پر فائز ہوئے[3] جواہر الفقہ اور الفوائد ان ہی کی تالیفات ہیں۔

۲۔ ابوحفص محمد بن علی الملقب بہ عماد الدین یہ بھی اپنے والد سے مستفید ہوئے اور فقہ میں امتیاز پیدا کیا۔ ان کو بھی شیخ الاسلام کا رتبہ حاصل تھا۔ کتاب ادب القاضی ان ہی کی تصنیف ہے۔

شیخ عبدالقادر قرشی کی تصریح کے مطابق علامہ مرغینانی کے دو صاحبزادے تھے۔ لیکن مولانا فرنگی محلی نے از راہ سہو تیسرے صاحبزادے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور ان کا نام اس طرح لکھا ہے۔ ابوالفتح جلال الدین محمد لیکن

---

[2] کشف الظنون نمبر ۱۲۴۳ عنوان علم الفقہ۔ [3] الجواہر ج ۱ ص ۳۹۴

محمد تو ان ہی صاحبزادہ کا نام ہے جو عماد الدین کے لقب سے معروف تھے[1] شیخ قاسم بن قطلوبغا نے تاج التراجم صفحہ ۱۳۶ میں ابو الفتح بن ابی بکر بن عبد الجلیل المرغینانی السمرقندی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ ان کے نسب نامہ ہی سے ظاہر ہے کہ وہ صاحبزادہ نہ تھے بلکہ صاحب ہدایہ کے برادر تھے۔ جن کا انتقال ۶۴۱ھ میں ہوا ہے۔

شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی کے پوتے یعنی شیخ عماد الدین محمد بن علی مرغینانی کے صاحبزادہ زین الدین عبد الرحیم فقہ میں بڑی ممتاز حیثیت اور شہرت کے مالک تھے۔ انہوں نے "الفصول العمادیہ" جیسی مشہور کتاب لکھی۔ جس کی تکمیل شعبان ۶۵۱ھ سمرقند میں ہوئی۔ ان کی بھی کنیت ابو الفتح تھی[2]

تیمور لنگ نے جب سمرقند پر قبضہ کیا تو اس وقت مولانا عبد الملک ایک معروف فقیہ بھی حیات تھے ان کے بارہ میں ابن عرب شاہ اپنی کتاب عجائب المقدور (مطبوعہ ۱۸۶۸ء) میں لکھتا ہے کہ

"وہ مؤلف ہدایہ کی نسل سے ہیں ایک ہی وقت میں درس بھی دیتے شطرنج اور نرد کے بارے میں بتلاتے رہتے اور اشعار بھی موزوں کرنے جانتے"[3]

ان کے بعد انہی کے برادر عم زاد خواجہ عبد الاول درس و تعلیم کی مسند پر پورے ماوراء النہر میں صدر نشین کی حیثیت رکھتے تھے اور جب ان کا بھی انتقال ہو گیا تو مولانا عبد الملک کے صاحبزادہ مولانا عصام الدین ماوراء النہر میں درس و تعلیم کے سب سے بڑے اور آخری مرجع کی حیثیت سے مشہور و ممتاز اور عجائب المقدور کی تالیف کے وقت حیات تھے۔

انتقال اور تدفین شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی کا زیادہ تر قیام سمرقند ہی میں رہا اور بالآخر انہوں نے تعلیم و تدریس، افتاء، وارشاد، تصنیف و تالیف اور ذکر و عبادت میں مصروف زندگی گذارنے کے بعد ۵۹۳ھ میں سمرقند ہی میں انتقال فرمایا جب کہ سہ شنبہ کی شب اور ذی الحجہ کی ۱۴ تاریخ تھی۔

سمرقند کے شہر چاکردیزہ میں تربۃ المحمدین قبرستان میں ۴ سو سے زیادہ صاحب تصنیف و افتاء اور اہل علم مدفون تھے جن کا نام "محمد" تھا۔ اور ان سے لوگوں نے بڑی تعداد میں استفادہ کیا تھا۔

علامہ مرغینانی کو اسی قبرستان میں دفن کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر چونکہ وہاں دفن کرنے کے لئے نام والی شرط پوری نہ ہوتی تھی اس لئے قبرستان کے ذمہ داروں نے وہاں تدفین کی اجازت نہ دی چنانچہ علامہ مرغینانی کو اس کے قریب ہی دفن کیا گیا[4]

---

[1] الجواہر ج ۲ ص ۹۹ [2] الفوائد البہیتہ ص ۵۷ [3] عجائب المقدور فی اخبار تیمور۔ تاریخ تیموری ص ۲۶۴ [4] الجواہر ج ۱ ص ۴

پروفیسر محمد اسلم صاحب۔ لاہور

بھارت کا تازہ سفرنامہ

امروہہ ـــ مراد آباد ـــ رامپور

سن پور میں جب میں نے اپنے میزبان سے رخصت مانگی تو انہوں نے فرمایا کہ وہ میرے ساتھ امروہہ تک چلیں گے اور میری ملاقات مولانا نسیم احمد فریدی سے کرائیں گے۔ گجرولہ اور امروہہ کے درمیان صرف ایک ریلوے سٹیشن کا فوہ پڑتا ہے۔ اس لئے ہم جلد ہی امروہہ پہنچ گئے۔ ہم جھنڈا شہید میں مولانا نسیم احمد فریدی کی قیام گاہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آنجناب کسی جنازے میں شرکت کے لئے قبرستان گئے ہوئے ہیں۔ عزیز الٰہی صاحب فوراً قبرستان پہنچے اور انہیں اپنے ساتھ ان کی قیام گاہ پر لے آئے۔

مولانا فریدی نے چائے اور بسکٹوں کے ساتھ ہماری تواضع کی اور اپنی کئی تصانیف مجھے عنایت فرمائیں۔ ان کے ساتھ بڑی دیر تک علمی موضوعات پر گفتگو رہی۔ میری استدعا پر انہوں نے اپنے ایک عقیدت مند کو میرے ساتھ کیا اور میں اس کی رہنمائی میں سلطان معزالدین کیقباد (م ۱۲۹۰ء) کی تعمیر کردہ جامع مسجد دیکھنے گیا۔ اس مسجد کا شمار پاک و ہند کی قدیم ترین مساجد میں ہوتا ہے۔ یہ مسجد بڑی وسیع ہے اور اس کے تین در اور تین ہی گنبد ہیں۔ بعد میں کسی نے دو دروں کا اضافہ کر دیا ہے۔ ان دنوں اس مسجد کی تولیت کے بارے میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان عدالت میں مقدمہ چل رہا ہے۔ اس لئے وہاں نماز موقوف ہے اور مسجد ویران پڑی ہے حالاں کہ اس مسجد کا بانی سنّی تھا اور اس زمانے میں پاک و ہند میں شیعوں کا وجود نہ تھا۔ کیقباد کی مسجد دیکھنے کے بعد میں نے محمود احمد عباسی کا گھر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو میرا رہنما بلا تامل مجھے وہاں لے گیا۔

عباسی مرحوم کے گھر سے ہم شاہ ولایت حسین ابن علی نقوی واسطی سہروردی المعروف بہ بچھوؤں والے پیر کا مزار دیکھنے گئے۔ گذشتہ کچھ عرصے سے ان کی اولاد شیعہ ہو چکی ہے اور ان کا غلو فی الدین مشہور ہے۔ اس بزرگ کے مزار پر بچھوؤں کے لکڑی اور لوہے کے بڑے بڑے مجسمے آویزاں ہیں اور زندہ بچھو بھی درگاہ کے احاطے میں چلتے پھرتے دیکھے جا سکتے ہیں۔ وہاں کے عوام کا یہ کہنا ہے کہ شاہ ولایت کی کرامت سے احاطہ مزار کے اندر بچھو ڈنگ نہیں مارتے۔ مولانا نسیم احمد فریدی نے ہمیں بتایا کہ جدید تحقیق کے مطابق صدیوں پرانے قبرستان میں فاسفورس کی مقدار اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہاں رہنے والے سانپوں اور بچھوؤں کا زہر ختم ہو جاتا ہے۔

امروہہ کی آبادی سے باہر جنگل میں شاہ نصیر الدین چشتی کا مزار ہے۔ یہ حضرت وہاں گدھوں والے پیر کے

لقب سے مشہور ہیں۔ دراصل ان کے مزار کے نواح میں سال بھر سبزہ اگا رہتا ہے اس لئے آوارہ گدھے وہاں جا پہنچتے ہیں اسی بنا پر لوگوں نے انہیں گدھوں والے پیر کے نام سے مشہور کر دیا۔

امروہہ پہلے وقتوں میں اللہ والوں کی بستی تھی۔ وہاں کے باشندے آم اور روہو مچھلی کھانے کے بڑے شوقین تھے اس لئے آم اور روہو کی مناسبت سے اس بستی کا نام امروہہ پڑ گیا۔ اس قصبے میں آبادی کے اندر شاہ عضد الدین کی درگاہ ہے۔ ایک بڑے دالان میں شاہ جمال الدین چشتی صابری، شاہ عضد الدین۔ شاہ معز الدین میاں موج۔ شاہ علاؤ الدین۔ شاہ قیام الدین اور ان کی اہلیہ۔ شاہ سعید الدین۔ شاہ نظام الدین اور ان کی اہلیہ اور شاہ بدر الدین محوِ خواب ابدی ہیں۔

شاہ عضد الدین سے شاہ عبد الہادی نے خرقۂ خلافت پایا۔ اور ان کے جانشین ان کے پوتے شاہ عبد الباری کے خلیفہ سید عبد الرحیم فاطمی شہید بالاکوٹ تھے۔ جن کی خدمت میں رہ کر میاں جی نور محمد جھنجھانوی نے منازل سلوک طے کی تھیں۔ اس طرح ہمارے اکابر دیوبند کے روحانی سلسلہ کے تین بزرگ امروہہ میں محوِ خواب ابدی ہیں۔

امروہہ کی جامع مسجد بھی قابل دید ہے۔ اس وسیع مسجد میں ایک مدرسہ بھی قائم ہے۔ جس کا تاریخی نام "افضل المدارس" ہے۔ اس مدرسہ کے بانی مولانا احمد حسن امروہیؒ کو حضرت قاسم العلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے شرف تلمذ تھا۔ مسجد کے جنوب مشرقی کونے میں مولانا احمد حسن (۱۹۱۱ء) مفسر قرآن مولانا عبد الرحمن صدیقی (م ۱۹۴۹ء) اور مولانا عبد القدوس (م ۱۹۶۷ء) کی قبریں ہیں۔ اس مدرسہ میں ایک ہزار سے زائد طلبہ تعلیم پا رہے ہیں۔ ہمارے فاضل دوست مولانا محمد طاسین (مجلس علمی کراچی والے) بھی اس مدرسہ میں تدریس کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ اور علامہ عبد العزیز میمن بھی اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔

مدرسہ کے دفتر اہتمام میں ناظم مدرسہ مولانا فضل الرحمن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جب میرے رہنما نے مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے حوالے سے میرا تعارف کرایا تو موصوف نے بڑی شفقت کا اظہار فرمایا اور تا دیر مدرسہ کے بارے میں میرے سوالات کا جوابات دیتے رہے۔

جامع مسجد کے عقب میں ایک وسیع جوہڑ ہے اور اس کے پار عبد الکریم انٹر میڈیٹ کالج کی عمارت ہے۔ امروہہ کے اس کالج کا شمار اس علاقے کے اہم علمی مراکز میں ہوتا ہے۔

امروہہ کے گرد و نواح میں آم بکثرت پیدا ہوتے ہیں اس لئے وہاں آم کی لکڑی سے ڈھولک اور لکھنے والی تختیاں بنائی جاتی ہیں۔

امروہہ ریل اور سڑک کے ذریعہ مراد آباد سے ملا ہوا ہے۔ گجرولہ سے مراد آباد جانے والی سڑک امروہہ سے چار میل کے فاصلے سے گذرتی ہے۔ میں اور عزیز منظور الٰہی اخون ایک ٹیمپو میں سوار ہو کر مین روڈ پر پہنچے۔ اور وہاں سے بس

میں سوار ہو کر رجب پور ہوتے ہوئے مراد آباد پہنچ گئے۔ رجب پور میں لب سڑک حضرت بہاؤالدین فریدی کا مزار ہے۔ وہاں ہونے والے عرس کی مکمل کارروائی آل انڈیا ریڈیو سے نشر کی جاتی ہے۔ راقم نے ایک بار پوری کمنٹری سُنی تھی۔ لیکن مزار کا محل وقوع معلوم نہ ہو سکا اس لئے جب میں نے اس بزرگ کی درگاہ دیکھی تو پرانی یاد پھر تازہ ہو گئی۔

مراد آباد پہنچ کر ... گ...

... ہیں۔ اور ایک ٹانگ سے معذور ہونے کے باوجود موصوف کئی ممالک کا تبلیغی دورہ کر چکے ہیں۔ ان سے مل کر طبیعت بے حد خوش ہوئی۔ ان کے اخلاق و اطوار قرنِ اوّل کے مسلمانوں جیسے ہیں۔ موصوف نے چائے اور پھلوں کے ساتھ ہماری تواضع کی۔ اور اپنی کئی تصانیف مجھے عطا فرمائیں۔

مولانا افتخار فریدی نے دوران گفتگو فرمایا کہ مراد آباد میں منشی نورالحسن نام کے ایک صاحب رہتے تھے جو میونسپل بورڈ کے صدر اور شہر کے رئیس اعظم تھے۔ ان کے ایک بیٹے کو علامہ اقبال کا پورا کلام ازبر تھا۔ اسی زمانے میں تحریک خلافت کے روح رواں مسعودالحسن بیرسٹر کی صاحب زادی کی شادی سر محمد شفیع کے بیٹے سے ہونا قرار پائی۔ لاہور سے برات کے ساتھ علامہ اقبال بھی تشریف لے گئے۔ اتفاق سے ان دنوں وہ بچہ علیل تھا۔ جب منشی صاحب نے علامہ اقبال سے اس بچے کے حافظے اور علالت کا ذکر کیا تو علامہ فوراً اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور بچے کی دلجوئی کے لئے اسے اپنا کلام سنایا۔

مولانا افتخار فریدی سے اجازت لے کر ہم بس اسٹینڈ پہنچے۔ میرے میزبان تو حسن پور جانے والی بس میں سوار ہو گئے اور میں رام پور روانہ ہو گیا۔ یہ میرا رام پور کا چوتھا سفر تھا۔

رضا لائبریری رام پور | رام پور پہنچتے ہی میں نے ٹورسٹ ہوٹل میں قیام کیا۔ اور بعجلت ممکنہ رضا لائبریری پہنچا۔ اس لائبریری کو عرف عام میں کتابوں کا تاج محل کہتے ہیں۔ قلعہ کے اندر نواب رام پور کا ایک عالی شان مہمان خانہ تھا جس میں وائسرائے اور گورنر آ کر ٹھہرا کرتے تھے۔ جب سردار پٹیل کے ہاتھوں ریاستوں کا خاتمہ ہوا تو یہ عمارت حکومت ہند کی تحویل میں چلی گئی اب یہ عمارت لائبریری کا کام دے رہی ہے۔

بھارتی پارلیمنٹ کے ایک بل کی رو سے وفاقی حکومت کا قائم کردہ ایک بورڈ لائبریری کا نظام چلا رہا ہے۔ اس لائبریری میں مطبوعہ کتابوں کو چھوڑ کر اس وقت سترہ ہزار قلمی کتابیں ہیں۔ اور ان میں ایسے مخطوطے بھی ہیں جن کا کوئی دوسرا نسخہ کہیں نہیں ہے۔ برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کے صدہا سالہ دورِ حکومت کی تاریخ و ثقافت کے کسی بھی پہلو پر ریسرچ کرنے والے اسکالر کے لئے اس لائبریری سے استفادہ کرنا لابُد ہے۔ میں نے رام پور میں اپنے قیام کے

دوران میں شاہ ابواسحاق قادری لاہوریؒ کی تصنیف رسالۂ ناطقہ، شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیف المقدمۃ السنیہ، شاہ عبدالعزیز محدثؒ کی تالیف سرالگیت، شاستر اور محمد صالح کولابی کی تصنیف "رسالہ در احوال واعمال وعقائد حضرت مجدد الف ثانیؒ" سے استفادہ کیا۔ میں نے مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے دورِ نظامت میں بھی اس لائبریری میں بیٹھ کر کام کیا ہے۔ مرحوم سے کسی کتاب کا ذکر کرتا، تو موصوف فوراً وہ کتاب نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دیتے۔ اب وہ بات ہی نہیں رہی کتاب تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملتی۔ اس لئے اس لائبریری کو کتابوں کا گودام کہنا مناسب ہوگا۔ مولانا عرشی کی عمر اسی لائبریری کی خدمت کرتے ہوئے گذری۔ اوران کی قبر بھی لائبریری کے پہلو میں ہے۔

شام کے وقت احباب رام پور نے صولت لائبریری میں ایک جلسے کا اہتمام کیا۔ جہاں پاکستان میں رفتارِ ادب اور تعلیم وتعلّم کے موضوع پر میری تقریر ہوئی۔ تقریب کے اختتام پر جامع مسجد میں، جو صولت لائبریری کے قریب ہے تمام حاضرین نماز ادا کرنے گئے۔ یہ مسجد نوابی دَور کی یادگار ہے۔ نماز کے بعد ایک شخص نے کہا کہ مجھے نماز میں شریک دیکھ کر انہیں بڑا تعجب ہوا اور خوشی بھی۔ تعجب اس لئے کہ رام پور میں یہی مشہور ہے کہ جو شخص یہاں آکر نماز نہ پڑھے تو سمجھ لیجئے کہ وہ پاکستان سے آیا ہے اور جو عورت بے پردہ نظر آئے تو وہ بھی یقیناً پاکستانی ہوگی۔ یہ ہے پاکستان کا IMAGE جو ہم نے ہمسایہ ملک میں دیا ہے۔

اگلے دن میں دوبارہ لائبریری گیا اور سارا دن وہیں گذارا۔ چار بجے لائبریری بند ہوئی تو میں محلہ راجد وارہ کی مسجد میں ملّا غیاث الدین کی قبر دیکھنے گیا۔ موصوف غیاث اللغات کے مصنف اور نواب کلب علی خان والیٔ رام پور کے استاد تھے۔ شارح قصائد بدر چاچ اور صوت الناقوس کے مصنف عثمان خان قیس کو بھی ان سے تلمذ تھا۔ ملّا غیاث الدین کے لوحِ مزار پر یہ عبارت درج ہے۔

مولوی غیاث الدین عزت

مؤلف غیاث اللغات ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۶۸ھ

ان کے پائنتی ان کے فرزند مولوی قمرالدین المتوفی ۲۷ رمضان ۱۲۹۸ھ کی قبر ہے۔

راجد وارہ سے میں سیدھا مدرسہ فرقانیہ پہنچا۔ مدرسے کی مسجد کے عقب میں کئی قبریں ہیں جن میں سے میاں سیّد نظام الدین کی قبر قابلِ ذکر ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے یہ دو اشعار زبان زدِ خلائق ہیں۔

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیئے مسکرا کے ہاتھ
دینا وہ اُن کا ساغرِ مے یاد ہے نظامؔ
منہ پھیر کر اُدھر کو اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

میاں نظام الدین کے لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے۔

کسی کی دوست نہیں ہے یہ دشمن ہے
فضول ہے جو کوئی دل لگائے دنیا سے
یہ ذی کمال کو تو دیکھ ہی نہیں سکتی
خدا پناہ میں رکھے بلائے دنیا سے
غضب کی بات ہے افسوس دیکھ اے محمود
میاں نظام گئے ہائے ہائے دنیا سے
۱۲۸۹ھ

مدرسہ فرقانیہ کے صدر مدرس اور روح رواں مولانا وجیہہ الدین احمد خان قادری مجددی ہیں جو کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ موصوف کے مرشد روزیر محمد خان صاحب بریلوی مسلک کے عالم تھے لیکن انہوں نے اپنے مرید با صفا کو اعلیٰ تعلیم کے لئے دیوبند بھیجا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ مولانا وجیہہ الدین احمد خان صاحب فرقہ وارانہ تعصب سے بالاتر ہو گئے گذشتہ سفر میں جب میں رام پور گیا تو ان دنوں میں مدرسہ فرقانیہ کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا۔ مولانا نے اس موقع پر والدین معہ کے موضوع پر میری تقریر کرائی تھی۔

اگلے روز میں حکیم محمد حسین خان شفا کے ساتھ رام پور کے مشہور عالم مولانا ارشاد حسین مجددی کا مزار دیکھنے گیا ان کے علمی مقام کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے تلامذہ میں مولانا شبلی نعمانی، نواب کلب علی خان اور حافظ عنایت اللہ مجددی جیسے فضلا کے نام آتے ہیں۔ ان کے احاطہ مزار میں مولوی سلامت اللہ خان کی بھی قبر ہے۔ یہ بزرگ رام پور کے احمد رضا خان تھے۔

حافظ عنایت اللہ مجددی کی قائم کردہ خانقاہ عنائتیہ کے موجودہ سجادہ نشین جناب محمد اللہ خان صاحب سے میری پرانی واقفیت ہے۔ ہماری پہلی ملاقات ۱۹۵۰ء میں سرہند شریف میں ہوئی تھی۔ اس بار انہوں نے اصرار کیا کہ میں جب بھی رام پور آیا کروں، خانقاہ عنائتیہ میں قیام کیا کروں۔ اسی خانقاہ کے احاطے میں رام پور کے نامور شاعر محشر عنائتی کی قبر ہے۔

رام پور میں حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی کے خلیفہ حضرت شاہ قطب الدین مجددیؒ کے مرید با صفا حافظ جمال اللہؒ المتوفی ۳ صفر ۱۲۰۹ھ کی درگاہ مرجع خلائق ہے۔ ان کے مزار کے سفید قاش دار گنبد میں سیاہ دھاریاں بڑا حسن پیدا کرتی ہیں مقبرے کی پیشانی پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

آں شاہ جمال قطب عالم — خوش رفت بجلوہ گاہ وحدت
تاریخ فنای بابقا یش — سیر علم مقبرہ حیرت
۱۲۰۹ھ

اسی درگاہ کے احاطے میں حضرت شاہ ابو سعید مجددی کے فرزند ارجمند شاہ محمد عمر مجددیؒ محوِ خوابِ ابدی ہیں "افسوس فتاد برج عرفان" (۱۲۹۸ھ) سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ ان کے پہلو میں ان کے مرید خاص اور والیٔ رام پور نواب کلب علی خان کی قبر ہے۔ "مزار نواب خلد آشیاں" (۱۳۰۴ھ) سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ حضرت حافظ جمال اللہؒ کے روضہ مبارک کی پائنتی جانب نواب حامد علی خان کے والد نواب مشتاق علی خان کی قبر ہے۔ اس سے حافظ صاحب کے ساتھ والیانِ رام پور کی عقیدت کا ثبوت ملتا ہے۔

رام پور میں حافظ جمال اللہ سے بھی زیادہ شہرت ان کے خلیفہ شاہ درگاہی کی ہوئی۔ ان کی درگاہ رام پور میں مرجع خلائق ہے۔ ان کے مزار کا گنبد ہو بہو حافظ صاحب کے مزار کے گنبد جیسا ہے۔ لیکن اس گنبد کا رنگ سبز ہے۔ شاہ درگاہی اصلاً پنجابی تھے۔ اور ان کا وطن گجرات تھا۔ رام پور میں موصوف اپنے نام کی بجائے قطب صاحب کے لقب سے مشہور ہیں۔ درگاہ کے احاطے میں مُنّی بیگم دختر نواب حامد علی خان کی قبر بڑی نمایاں ہے۔ رشید نام کے کسی شاعر نے اس کی تاریخ یوں کہی ہے ؎

بولا ہاتف سالِ رحلت اے رشید
آ گئی باغِ جناں میں بے عدیل
۱۳۲۴ھ

صولت لائبریری میں جماعت اسلامی رام پور کے عمائدین سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اگلے روز مرکزی درس گاہ اسلامی میں مجھے اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی۔ رام پور میں جماعت اسلامی نے ایک مثالی تعلیمی ادارہ قائم کیا ہے جہاں تعلیم سے زیادہ تربیت پر زور دیا جاتا ہے۔ مسلم طلبہ دور دور سے وہاں تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ ہوسٹل کا انتظام بھی متدین اور مخلص لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

دوپہر کے وقت حضرت مولانا وجیہ الدین احمد خان کے ہاں میری دعوت تھی۔ حکیم محمد حسین خان شفا اور مولانا کے نواسے جناب شعائر اللہ خان بھی دستر خوان پر تھے۔ مولانا کے ساتھ بڑی عالمانہ گفتگو رہی۔ رخصت ہوتے وقت مولانا شعائر اللہ خان نے اپنے ناناجان کی تصانیف کا ایک سیٹ مجھے عطا فرمایا۔

حکیم محمد حسین خان شفا رضا لائبریری میں کیٹلاگر ہیں اور فارغ اوقات میں مطب بھی کرتے ہیں۔ موصوف صاحب طرز ادیب ہیں۔ اور مقامی روزناموں میں "کشکولِ شفا" کے عنوان سے اپنا حاصل مطالعہ چھپواتے رہتے ہیں۔ قومی سطح کے علمی جرائد میں ان کے فاضلانہ مضمون گاہے ماہے چھپتے رہتے ہیں۔ اس عاجز کے ساتھ ان کی باقاعدہ خط و کتابت رہتی ہے۔

گھر پیپل والا کے ایک علم دوست نوجوان تنویر احمد خان بھی تمام وقت میرے ساتھ رہے۔ انہوں نے دو کتابیں ڈاکٹر بینی پرشاد کی تاریخ جہانگیر اور ہارون خان شروانی کی دکن کے بہمنی سلاطین عنایت کیں۔

حکیم محمد حسین خان شفاؔ کا مکان مدرسہ کہنہ کے قریب واقع ہے۔ اس مدرسہ کے صحن میں عالم اجل ملا حسن فرنگی محلی اور خواجہ میر دردؔ کے شاگرد رشید قائم چاندپوری کی قبریں ہیں۔ ہمارے فاضل دوست اور بزرگ حکیم نیر احمد خان صاحب رام پوری ثم لاہوری کا مکان بھی اسی محلے میں ہے۔

ایک دن میں بازار سے گذر رہا تھا اور حکیم شفا میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھے نواب رام پور کے اصطبل کی وہ تاریخی عمارت دکھائی جس میں نواب فصیح الملک داغؔ کا تقرر بطور داروغہ ہوا تھا۔ نواب موصوف کا رنگ سیاہی مائل تھا۔ اصطبل اور داغ کی نسبت سے ان پر یہ پھبتی کسی تھی ؎

شہر دہلی سے آیا ایک منشی
یہاں آتے ہی اصطبل میں داغ ہوا

نواب رام پور کے ہاتھی خانے میں اب مکھہ شرنارتھی آباد ہیں۔ نوابی ریلوے سٹیشن میں، جو نوابی دور میں صرف نواب صاحب کی سپیشل ٹرین کی آمد و رفت کے لیے مخصوص تھا۔ اب پیال ہوٹل کے نام سے ایک ریستوران کھل گیا ہے۔ جس گاڑی میں نواب صاحب رام پور شاہانہ ٹھاٹھ سے سفر کیا کرتے تھے۔ اب عوام اس میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔ ایوان شاہی، جہاں نواب صاحب دربار لگایا کرتے تھے اب ہوٹل میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اس ایوان کے ایک حصے میں اب تک نواب صاحب کا تخت اور قیمتی اشیاء محفوظ ہیں۔ دربار ہال اب عجائب گھر بن گیا ہے۔ ان عمارات کو دیکھ کر تلک الایام نداولہا بین الناس کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے ۔

بقیہ از ص ۱۶

وہ چیز ہے ایمان و فقہ اور حکمت ۔

اے نوجوانو! تم اس سے کہیں زیادہ اہم رول ادا کر سکتے ہو اور انسانیت کے لئے خیر و برکت کا ذریعہ بن سکتے ہو۔ جتنا کولمبس نے بغیر کسی نیت و ارادہ کے براعظم امریکہ کا انکشاف کر کے لیا تھا یہ کہ تم اپنی قوم و ملک میں اور عالم اسلام کے گوشوں میں نئے عالم کا انکشاف کر سکو اور اس ایمان سے فائدہ اٹھا سکو۔ یہ وہ ایمان ہے جو سرنت نبوت کی دین اور عطیہ الٰہی ہے۔

بس یہی بات مجھے عرض کرنی تھی۔ میں نہایت مسرور و خوش ہوں اس مبنی ایمان سے معمور، پاک باز، زندہ و تابندہ مجمع کو دیکھ کر مجھے جس قدر خوشی و مسرت ہے اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ میں کہتا ہوں آپ نئے عالم میں آئیں۔ نئی دنیا کا انکشاف کریں۔ ہلکی پھلکی چیز پر قانع نہ ہو جائیں بلکہ ان مدفون خزانوں کی فکر کریں اور نامعلوم ذخیروں کی تلاش کریں جو ایمان و یقین سے لبریز دلوں کی سرزمین میں نہاں ہیں ۔

قارئین بنام مدیر

○ عورت کی دیت

○ یہود اور [illegible]

افکار و اخبار

[illegible] منصوص مسائل میں اجتہاد کی گنجائش؟

حکمت قرآن لاہور کے شمارہ نومبر ۱۹۸۴ء میں چودھری محمد رفیق صاحب کا مضمون قتل خطاء میں عورت کی دیت کا مسئلہ نظر سے گذرا۔ انہوں نے اپنے مضمون میں شریعت اسلامیہ کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ لیکن مضمون کے آخر میں ایک عجیب علمی غلطی ہوئی ہے۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے پہلے اپنے مضمون میں قتل خطاء کے بارہ میں عورت کی دیت کے نصف ہونے پر حدیث کے ساتھ اجماع بھی نقل کیا ہے۔ اور پھر آخر میں لکھا ہے۔

" البتہ موجودہ حالات میں ایک اجتہاد ممکن ہے اور شریعت اسلامیہ میں اس کی پوری پوری گنجائش ہے۔ اور یہی اصل قانون اسلامی ہے تاہم اگر کوئی ایسی عورت قتل ہو جائے جو اپنے خاندان کی واحد کفیل ہو یا اس کے مرجانے سے خاندان کو بہت زیادہ مالی دشواری کا سامنا ہو تو ایسی صورت میں قاضی کو یہ اختیار ہونا چاہئے کہ وہ اپنی صوابدید سے عورت کی نصف دیت کے علاوہ مزید نصف دیت تک (مرد کی دیت کے برابر) کا اضافہ کر سکے۔ اور قتل خطاء کے مرتکب فرد کی عاقلہ پر اس پوری دیت کو واجب الاداء قرار دے سکے "

اور یہ ایک عجیب غلطی ہے۔ اس لئے کہ اجماع کے خلاف کوئی اجتہاد سرے سے جائز نہیں۔ چنانچہ علامہ تفتازانی تلویح میں لکھتے ہیں :-

نعم یشترط ان یعرف اقوال المجتہدین فی المسائل القیاسیہ لئلا یقع فی مخالفۃ الاجماع (ص ۴۹)

البتہ مسائل قیاسیہ میں اقوال مجتہدین کا جاننا ضروری ہے تاکہ اجماع کا خلاف لازم نہ آ جائے۔ اور یہی علامہ تفتازانی باب الاجتہاد میں لکھتے ہیں وکان الاولی ذکر الاجماع (ایضاً) اذلا بد من معرفتہ و معرفۃ مواقعہ لئلا یخالفہ فی اجتہادہ (ص ۴۰۴) اور اجماع کو بھی ذکر کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ اجماع اور مواقع اجماع کی معرفت مجتہد کے لئے ضروری ہے تاکہ اجماع کی مخالفت میں نہ پڑ جائے۔

اور حاشیہ توضیح میں ہے - لاجل ذالک وقع من بعض المجتہدین المخالفۃ للاجماع فرد بذالک اجتہادھم اور اسی وجہ سے جب بھی بعض مجتہدین سے اجماع کا خلاف آیا ہے تو ان کا اجتہاد مسترد کیا گیا ہے — اور

نورالانوار میں ہے۔ وانما یحتاج الیہ لان یعلم المسائل الاجماعیۃ فلا یجتھد فیھا بنفسہ صہ ۲۵۰
اور اجماع کا علم اس لئے ضروری ہے تاکہ مسائل اجماعیہ کو جان لے۔ اور پھر اس میں اجتہاد نہ کرے۔

اور قمرالاقمار میں ہے قولہ فلا یجتھد فیھا کیلا یفتی بخلاف الاجماع از خود اجتہاد اس لئے نہ کرے گا تاکہ اجماع کے خلاف فتویٰ نہ دے۔

ایسا قیاس اور اجتہاد ایک اور اصولی قاعدہ کی رو سے بھی صحیح نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قیاس کے لئے یہ شرط ہے کہ فرع میں نص موجود نہ ہو۔ چنانچہ صاحب نورالانوار میں لکھتے ہیں والرابع عدم وجود النص فی الفرع صہ ۲۲۳
اور چوتھی شرط یہ ہے کہ فرع میں نص موجود نہ ہو۔ اور اس شرط رابع پر صاحب منار کی تصریح کے تحت صاحب نورالانوار تحریر فرماتے ہیں:-

لانہ لا یحتاج الی القیاس مع وجود النص صہ ۲۳۵۔ کیونکہ نص کے ہوتے ہوئے قیاس کی کوئی حاجت نہیں اور چودھری صاحب مرد کو اصل اور عورت کو فرع ٹھہراتے ہیں۔ اور عورت کو مرد پر قیاس کرتے ہیں۔ حالاں کہ عورت میں خود نص موجود ہے۔ اور وہ وہ حدیث ہے جس کو اس نے خود کتاب السنۃ سے حکمت قرآن کے صہ ۱۵/۱۶ پر نقل کیا ہے تو فرع میں نص کے موجود ہونے کی وجہ سے اس کا قیاس باطل ہے۔ لہٰذا مضمون نگار کے اس قول کہ " اور شریعت اسلامیہ میں اس کی پوری پوری گنجائش ہے " کی صحت کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ یہ قول اصول فقہ سے لاعلمی یا تجاہل پر مبنی ہے۔

اس کے علاوہ اس مسئلہ میں اجتہاد سے اس حدیث اور اجماع کا (جو عورت کی دیت کے بارے میں ہے) تقریباً اہمال لازم آتا ہے اور وہ ناقابل عمل ہو کر رہ جاتے ہیں کیونکہ آج بہت سی عورتیں مختلف قسم کی نوکریوں پر ہیں اور بعض تو بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی عورتوں کے مر جانے سے خاندان کو بہت زیادہ مالی دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی طرح فاحشہ عورتیں اپنے خاندان کے لئے بہت زیادہ کمائی کرتی ہیں اور بعض علاقوں میں عورتیں لاکھوں روپیہ پر بیچی جاتی ہیں۔ یہ اگرچہ شرعاً جائز نہیں لیکن ان کا خاندان تو کہے گا کہ ایسی عورت کے مر جانے سے ہم کو بہت زیادہ مالی دشواری کا سامنا پڑا ہے۔

لہٰذا محمد رفیق چودھری صاحب کے اجتہاد کے مطابق تو ہمارے لئے بھی پوری دیت واجب قرار دی جائے۔
لہٰذا حدیث اور اجماع کے ماتحت بہت کم عورتیں رہ جائیں گی جو بلا دلیل تقریباً حدیث اور اجماع کا ابطال ہے جو بالکل جائز نہیں۔ اور اسی طرح اس کی تعلیل کے پیش نظر ایک اور مفسدہ بھی لازم آتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایسا مرد مر جائے جس کے مر جانے سے خاندان کو بہت زیادہ مالی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑتا ہو بلکہ الٹا وہ خاندان پر بوجھ ہو اس کی دیت بھی دوسرے مردوں کی دیت کے برابر نہ ہونی چاہئے۔ بلکہ نصف دیت ہونی چاہئے۔ اور اس مفسدہ کی رو سے اس کا قیاس ایک اور طریقے سے بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اس قیاس کی وجہ سے اصل کا حکم بھی متغیر ہو گیا اور ایسا قیاس

غلط اور باطل ہوتا ہے۔ چنانچہ صاحب منار شرط قیاس میں لکھتے ہیں۔

والشرط الرابع ان یبقی حکم النص بعد التعلیل علی ما کان قبلہ اور چوتھی شرط یہ ہے کہ حکم نص بعد از تعلیل علی ما کان قبلہ باقی رہے گا۔ اور اس کے تحت صاحب نور الانوار لکھتے ہیں۔ ومعنی بقاء حکم النص ان لا یتغیر عما کان علیہ سوی انہ تعدی الی الفرع فعم ص ۲۳۵۔ بقاء حکم النص کا معنی یہ ہے کہ حکم کی حالت سابقہ میں کوئی تغیر نہ جائے بغیر اس کے کہ وہ فرع کو متعدی ہو کر عام بنا۔

اور یہ سب کچھ میں نے اس بنیاد پر لکھا ہے کہ اس بات کو علت تسلیم کیا جائے۔ کہ عورت کی ہلاکت خاندان کے لئے اتنی مالی پریشانی کا باعث نہیں بنتی جتنی کہ مرد کی ہلاکت۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ علت نہیں حکمت ہے جیسا کہ چوہدری صاحب نے خود اس کا اقرار کیا ہے اور علت وحکمت میں فرق واضح ہے۔ علت پر حکم کا مدار ہوتا ہے۔ حکمت پر نہیں۔ پھر یہ حکمت بھی ایسی ہے جس کا ثبوت قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ لہذا اس غیر منصوص حکمت کو علت ٹھہرانا ایک ایسی اصولی غلطی ہوگی جس کو ہر ذی عقل اور صاحب علم انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

(مولانا سیف اللہ فاضل حقانیہ مدرس جامعہ ارشادیہ پاتی تحصیل ٹانک)

چھاؤنیوں میں یہودی نشان | جناب والا! چھاؤنیوں کی مسجدوں میں دروازوں پر یہودیوں کا نشان "ڈیوڈ سٹار" کندہ ہوتا ہے۔ جناب والا یہ کسی مسلمان کے جذبات بھڑکانے کے لئے کافی ہے۔ یہ نشان ملک کی تمام چھاؤنیوں کی مساجد کے دروازوں پر کندہ ہے مثلاً کوئٹہ، گوجرانوالہ چھاؤنی وغیرہ

خدارا آپ اس مسئلہ میں ذاتی دلچسپی لیں۔ مبادا آنے والی نسلیں اس نشان کو اپنا نشان نہ بنالیں۔ اس مسئلہ کو نہ صرف آپ صدر پاکستان کے نوٹس میں لائیں بلکہ مجلس شوریٰ میں بھی اس نکتہ کو اٹھائیں۔ ساتھ ہی ساتھ دوسرے علماء کرام کو بھی اس معاملہ میں لکھیں تاکہ یہ یہودیت کا نشان ہماری مسجدوں سے ہٹ جائے۔ یہ نہ ہو کہ ہماری آئندہ نسلیں اس نشان ڈیوڈ سٹار کی مماثلت کی وجہ سے یہودی بن جائیں۔

احمد۔ از لاہور

ایران کی اہلسنت اقلیت | ایران میں اہل سنت پر جو ظلم ڈھایا جا رہا ہے ان سے کوئی با علم واقف نہیں ہے جمعیت وحدۃ المسلمین ایران سنی مہاجرین کی جماعت ہے۔ جو اس سلسلے میں کوشاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے۔

ح۔ ح و دیگر ایرانی طلبہ جمعیت وحدۃ المسلمین۔ لاہور

استدراک | ماہنامہ الحق اگست ۸۴ء ص ۱۸ پر زبان کے محاسبے کے عنوان کے تحت اعداد وشمار میں غلطی ہوئی ہے صحیح حساب یہ ہے۔ فی منٹ کے حساب سے الفاظ = 50

فی گھنٹہ کا حساب (60 منٹ) = 60×50 = 3000 الفاظ [illegible] اور 200 منٹ کا کل حساب۔

= 3000×200 = 600000 الفاظ (کل 200 منٹ)

(غلام سرور، جدہ سعودی عرب)

ادارہ
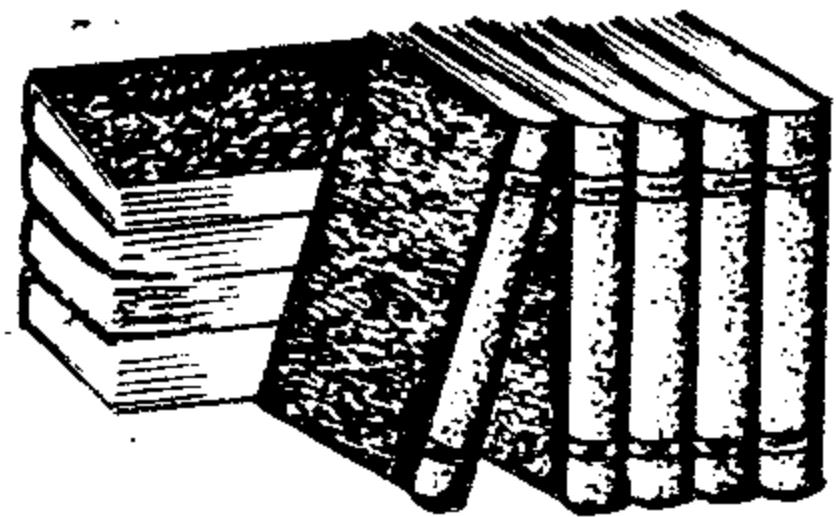
تعارف وتبصرہ کتب

موطا امام محمدؒ (مترجم) | مؤلف امام محمد بن حسن شیبانی۔ مترجم حافظ نذر احمد۔ ناشر: پاک مسلم اکادمی۔ الفضل مارکیٹ، اردو بازار۔ لاہور۔ سائز ۳۰×۲۰/۸ صفحات ۵۰۲۔ قیمت ۸۰ روپے

امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) بن انسؓ کی تصنیفات میں "موطا" کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی جو فقہی ضروریات کے لئے احادیث نبویؐ کا پہلا مرتب و مدّون مجموعہ تھا۔ موطا، امام مالکؒ کی زندگی ہی میں پورے عالم اسلام میں مشہور ہوگیا تھا۔ زمانہ جس قدر گذرتا گیا اس کی شہرت میں اضافہ ہوتا رہا۔ اور اہل علم نے اس کی طرف زیادہ رجوع کیا۔ امام مالکؒ سے تقریباً ایک ہزار افراد نے موطا کی روایت کی ہے۔ مگر زمانے کے ہاتھوں بچ جانے والی روایتیں سولہ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کے سولہ ایڈیشن ملتے ہیں۔ ان میں سے چار روایتیں زیادہ اہم اور متداول ہیں۔ انہی میں سے ایک امام محمدؒ بن حسن شیبانی کی روایت (نسخہ) ہے۔

امام محمد کو تین سال تک امام مالکؒ کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے اپنے نسخے میں بہت سے آثار و روایات، اور مسائل امام مالک کے علاوہ دوسرے حضرات سے نقل کئے ہیں۔ اس لئے مجازاً اس نسخے کو امام محمدؒ ہی کی طرف منسوب کیا جانے لگا۔ موطا امام محمد بارہا زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ برصغیر میں غالباً پہلی بار ۱۲۶۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔ اس وقت بھی کراچی اور لاہور کے مطبوعہ متن دستیاب ہیں۔ تاہم اردو دان حلقہ کے لئے اس کے سلیس اور رواں ترجمہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ جسے محترم حافظ نذر احمد صاحب نے زیر نظر ترجمہ کی صورت میں پورا کیا ہے۔

عربی متن اور اس کا اردو ترجمہ آمنے سامنے صفحات پر درج کیا گیا ہے۔ اس بات کا اہتمام برتا گیا ہے کہ متن کے ایک صفحہ کا ترجمہ بالمقابل صفحہ پر ہی آجائے۔ تاکہ قاری کو بار بار اوراق الٹنے پلٹنے نہ پڑیں۔ آغاز میں امام محمدؒ کے حالات زندگی اور موطا کے مختصر تعارف کے ساتھ ۴۲۶ عنوانات کے تحت مفصل فہرست مضامین شامل کی گئی ہے جملہ احادیث کے نمبر لگا دیئے گئے ہیں۔ کل احادیث کتنی ہیں، ایک کتاب (جزو) میں کتنی ہیں اور ایک خاص موضوع پر کتنی۔ آخر میں موطا کے ۸۷ روایت کے حالات درج کئے گئے ہیں۔

مندرجہ بالا خصائص کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ حسن ترتیب کے اعتبار سے زیر نظر اشاعت متداول اشاعتوں

اور طریقے سے بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اس قیاس کی وجہ سے اصل کا حکم بھی متغیر ہو لیا اور ایسا قیاس،

سے بہتر ہے۔ کسی بھی موضوع پر کوئی حدیث چند منٹوں میں تلاش کی جاسکتی ہے۔

عمدہ کتابت و طباعت اور خوبصورت مضبوط جلد کے ساتھ قیمت مناسب اور واجبی ہے۔ (اختر راہی)

فقہائے پاک و ہند (تیرہویں صدی ہجری) حصہ اول | مؤلف محمد اسحاق بھٹی۔ ناشر۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ۔ لاہور صفحات ۳۴۴۔ قیمت ۳۵ روپے

مولانا محمد اسحاق بھٹی گذشتہ چند سال سے "فقہائے ہند" کا ایک جامع تذکرہ مرتب کر رہے ہیں۔ آغاز سے بارہویں صدی ہجری کے اختتام تک فقہائے ہند سے متعلق سات جلدیں چھپ چکی ہیں۔ جن میں سے بعض پر "الحق" میں تبصرہ شائع ہوا ہے۔ زیر نظر جلد، نام میں معمولی سے فرق کے ساتھ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس جلد میں الفبائی ترتیب سے ایک سو فقہا کے مفصل اور تقریباً ساٹھ فقہا کے مجمل حالات قلم بند کئے گئے ہیں۔ جناب مرتب نے حالات جمع کرنے میں حسب معمول خوب محنت اور تحقیق سے کام لیا ہے۔ متداول اور نادر تذکرے اور تاریخ کی کتابیں ان کی کتابیات میں شامل ہیں۔ مولانا بھٹی نے اس تذکرے میں جو معلومات یکجا کی ہیں۔ اہل علم کے لئے خاصی مفید ہیں مثال کے طور پر انہوں نے کتب حدیث کی طباعت کے بارے میں یہ معلومات مہیا کی ہیں۔

" برصغیر میں کتب حدیث میں سے سب سے پہلی کتاب مطبع سلطانی قلعہ معلی دہلی سے ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۳ء) میں سنن نسائی شائع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۲۶۲ھ میں مؤطا امام محمدؒ شائع ہوئی۔ پھر ۱۲۶۵ھ میں کلکتے سے صحیح مسلم شائع ہوئی "

مولانا بھٹی نے سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد کے عہد کے سیاسی اور تاریخی حالات قلم بند کئے ہیں اور اس پس منظر میں فقہا کی دینی و فقہی سرگرمیوں کا ادراک بہتر طور پر کیا جاسکتا ہے۔

کتاب سفید کاغذ پر اچھی کتابت میں شائع ہوئی ہے۔ گتے کی جلد اور سادہ گرد پوش سے مزین ہے۔ (اختر راہی)

عامۃ المسلمین کے نام ایک دینی پیغام | از۔ مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی۔ صفحات ۱۲۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ۔ قاضی عبدالحلیم حقانی۔ مدرس نجم المدارس کلاچی۔ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی مدظلہ پاکستان میں علمائے حق نظام العلماء کے اولین رفیق جمعیت کی دستوری کمیٹی کے رکن ضلعی، صوبائی اور ملکی سطح پر باصلاحیت افراد کے لئے ہر ممکن ذاتی ایثار و قربانی کے پیش نظر اکابر علماء دیوبند کے منظور نظر اور خصوصی امتیاز و تعلق کے علاوہ ہمیشہ مجلس مشاورت میں ان کے مشورہ اور رائے کو وزن دیا جاتا رہا۔

خدا نے ان کو دل درد مند دیا ہے۔ وہ ملکی و ملی حالات پر سوچتے اور ملی و جماعتی انتشار و انحطاط پر سلگتے رہتے ہیں۔ زیر تبصرہ پیغام بھی ان ہی کے دل درد مند کی فریاد ہے۔ جسے ملت کے بہی خواہوں کے حضور پیش کیا گیا ہے۔ گو مختصر ہے

مگر قومی اور ملّی زوال کے اہم محرکات کو محیط ہے۔ انہوں نے اپنے اس پیغام میں صدر مملکت، کابینہ، مجلس شوریٰ، علماء، امراء، سیاسی جماعتوں، جماعتی افتراق کے ذمہ داروں، نظام العلماء کے دونوں دھڑوں اور پاکستان کے ہر شہری کو احساس ذمہ داری دلایا ہے۔ رائے و تجویز سے کامل اتفاق نہ بھی ہو جیسا کہ بعض صورتوں میں ناگزیر بھی ہے لیکن ملّی انحطاط و اضمحلال کے اسباب اور قومی ترقی اور ملی و جماعتی بہی خواہی کی اس دعوت پر ہر باشعور انسان کو لبیک کہنا چاہئے۔ شاید کہ اخلاص و ایثار کی باہمی مشاورت سے ملت کی طوفان رسیدہ "نیّا" ساحل مراد سے جا لگے۔ (عبدالقیوم حقانی)

<u>اشتراکیت کا حقیقت پسندانہ جائزہ</u> | تصنیف۔ مولانا عبدالودود حقانی۔ فاضل حقانیہ۔ شائع کردہ۔ دارالعلوم عربیہ گجرات۔ ضلع مردان۔ صفحات ۲۶۸ قیمت ۲۰ روپے۔

مولانا عبدالودود حقانی، دارالعلوم حقانیہ کے فاضل اور دارالعلوم عربیہ گجرات کے قابل مدرس ہیں۔ خدا نے ان کو درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تحریر و تصنیف کے اعلیٰ ذوق سے نوازا ہے۔ اولاً پشتو زبان میں رد اشتراکیت میں کتاب لکھی۔ جو بے حد مقبول ہوئی۔ اور اب مدیر الحق مولانا سمیع الحق کی خواہش پر اسی کا اردو ترجمہ کر دیا ہے جس میں دہریوں اور کمیونسٹوں کے اعتراضات، سوالات، دلائل و خدشات کے دندان شکن جوابات۔ ان کی مذہب بیزاری جبر و استبداد، ناپاک عزائم پر تحقیقی جائزہ، اور تبصرہ فرمایا اور آخر میں دہریت و اشتراکیت کے سیاہ طوفانی ریلے اور سیلاب سے بچاؤ کا اصل علاج جہاد اور اس کی ضرورت و اہمیت پر عالمانہ اور فاضلانہ گفتگو کی ہے۔ کتاب اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ دلچسپ مضامین اور قیمتی معلومات کی وجہ سے تحریر میں پشتو لہجہ کی جھلک بھی چبھتی نہیں ہے۔ ملکی سرحدات اور افغانستان کے حالات کے پیش نظر ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ لازمی کرنا چاہئے۔ (عبدالقیوم حقانی)

::

نیلام عام

دفتر ایجنسی ایڈمنسٹریٹر افغان مہاجرین جنوبی وزیرستان وانہ میں بتاریخ 23/12/84ء بمقام تحصیل وانہ بوقت ۱۱ بجے دن مندرجہ ذیل اشیاء بذریعہ نیلام عام فروخت کئے جائیں گے۔

تفصیل اشیاء

نمبر	اشیاء	تعداد	
۱۔	خالی بوریاں بڑی سائز ۱۰۰ کلوگرام والے	40835	عدد
۲۔	خالی بوریاں چھوٹی سائز ۵۰ کلوگرام والے	2363	عدد
۳۔	خالی ڈرم (بیرل) گھی والے بڑی سائز والے	544	عدد
۴۔	خالی ڈرم (بیرل) گھی والے چھوٹی سائز والے	639	عدد
۵۔	کور خیمہ جات اچھی حالت میں	443	عدد
۶۔	خالی پٹی پیلے اچھی حالت میں	91	عدد

سب سے زیادہ بولی دینے والے کو ترجیح دی جائے گی جو حسب ذیل شرائط کا پابند ہوگا۔

۱۔ سب سے زیادہ بولی دینے والے مذکور کو زر چہارم حصہ موقعہ پر ادا کرنا ہوگا۔

۲۔ بولی دینے والے مذکور تب تک مال نہیں اٹھائے گا جب تک کمشنریٹ افغان مہاجرین صوبہ سرحد بولی کی منظوری نہ دے دیں۔

۳۔ بعد منظوری کمشنریٹ افغان مہاجرین صوبہ سرحد پشاور خریدار کو بقایا تین چوتھائی زر نیلام اندر ایک ہفتہ یکمشت داخل کرنا ہوگا۔ بصورت دیگر اس کی داخل کردہ ایک چوتھائی رقم بحق محکمہ متعلقہ ضبط کی جائے گی اور اس کے کسی بھی عذر یا اعتراض کو کوئی قانونی جواز حاصل نہ ہوگا۔

انور خان
زیر دستخطی ایجنسی ایڈمنسٹریٹر
افغان مہاجرین جنوبی وزیرستان
وانہ

PID(P) 991

محکمہ مواصلات و تعمیرات صوبہ سرحد

ٹینڈر نوٹس

محکمہ مواصلات و تعمیرات صوبہ سرحد کے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے درج ذیل کام کے لئے سربمہر ٹینڈر مطلوب ہیں۔

نمبر شمار	کام کی تفصیل	تخمینہ لاگت	زرضمانت	میعاد تکمیل
۱	گورنمنٹ ڈگری کالج تھانہ میں کلاس رومز اور فزکس لیبارٹری کی تعمیر بمعہ واٹر سپلائی و سینیٹری انسٹالیشن	۱۸,۱۰,۰۰۰/-	۳۶,۲۰۰/-	۱۲ ماہ

درخواستیں برائے حصول ٹینڈر فارم مندرجہ ذیل کوائف کے ساتھ مورخہ ۲۷/۱۲/۸۴ کو دن کے ۰۰-۱۱ بجے تک زیر دستخطی کے دفتر واقعہ کنڈ کو پہنچ جانی چاہئے۔ (۱) بحیثیت ٹھیکیدار محکمہ میں درج شدہ نام و پتہ (۲) رجسٹریشن فیس کی رسید (فوٹو سٹیٹ کاپی) ۳ موجودہ کاموں کی فہرست جس میں (ل) کام کا نام (ب) لاگت (ج) تکمیل کی میعاد (د) کام شروع کرنے کی تاریخ۔ اس کام کی تکمیل کی تاریخ (ص) اب تک جتنا کام کیا اس کے تخمینہ کے متعلق تفصیل درج کرنا چاہئے۔

۳۔ ٹینڈر فارم جس میں ٹھیکیداروں کو مبلغ ۲۰۰/- روپے نقد ادائیگی (ناقابل واپسی) پر مورخہ ۲۷/۱۲/۸۴ دن کے ۳۰-۱۱ تا ۱۲ بجے جاری کئے جائیں گے۔

۴۔ سربمہر ٹینڈر مورخہ ۲۷/۱۲/۸۴ کو دن کے ۳۰-۲ بجے تک وصول کئے جائیں گے۔ اور اسی دن ۰۰-۱ بجے متعلقہ ٹھیکیداروں یا ان کے مختار کارندوں کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔

۵۔ زرضمانت بصورت کال ڈیپازٹ کی صورت میں بحق ایگزیکٹو انجینئر سی اینڈ ڈبلیو ڈویژن ملاکنڈ ٹینڈر فارم کے ساتھ منسلک ہونا چاہئے۔ نقد رقم بطور زرضمانت وصول نہیں کی جائے گی۔

۶۔ مشروط نامکمل یا بذریعہ تار ٹینڈر قابل قبول نہیں ہوں گے۔

۷۔ آفیسر مجاز کو حق حاصل ہے کہ وہ بلا اظہار کسی یا تمام ٹینڈروں کو مسترد کر دے۔

۸۔ مزید معلومات دفتر ہذا سے کسی بھی دن اوقات کار حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

(دولت خان) ایگزیکٹو انجینئر سی۔ اینڈ۔ ڈبلیو

ڈویژن ملاکنڈ۔ فون ۲۲

INF (P) 2885

دارالعلوم کے شب و روز

ضبط و ترتیب :- مولانا محمد طیب شیر گڑھ
شریک دورۂ حدیث شریف ۔ دارالعلوم حقانیہ

مولانا سید اسعد مدنی کی آمد اور خطاب

۴ روتمبر۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے جانشین و فرزند رشید صدر جمعیت علما ہند مولانا محمد اسعد پاکستان تشریف لائے تو حسب معمول دارالعلوم بھی قدم رنجہ فرمایا۔ آمد سے قبل مولانا سمیع الحق صاحب مولانا کی ملاقات کے لئے سخاکوٹ مولانا عزیز گل صاحب اسیر مالٹا کے ہاں تشریف لے گئے۔ مولانا مدنی کا آج رات کا قیام ان کے ہاں تھا۔ آپ نے مولانا اسعد مدنی اور اسیر مالٹا مولانا عزیز گل صاحب سے ملاقات کی۔ دوسرے روز مولانا اسعد مدنی، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی عیادت کی غرض سے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ دفتر اہتمام میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی اور دارالحدیث میں اساتذہ و طلبہ کے اجتماع سے بھی خطاب فرمایا جسے ٹیپ ریکارڈر سے نقل کر کے نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔

حضرت استاد محترم، بزرگو اور بھائیو!

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جہاں ان گنت بے انتہا اور بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ اپنی مخلوقات میں اشرف المخلوقات صرف انسان کو بنایا ہے۔ اگر اس کی مہربانی نہ ہوتی۔ مٹی، پتھر، درخت، جانور، گدھا، کتا، بلی، سانپ، بچھو جو چاہتا بنا سکتا ہے۔ اللہ سے ہماری یا آپ کی قدرت اور طاقت اور زبردستی نہیں تھی۔ کہ ہم اپنے آپ کو انسان ہی بنوا لیتے۔ پھر انسان بنا کر اندھا نہیں بنایا آنکھیں دیں، بہرہ نہیں بنایا کان دئے، گونگا نہیں بنایا۔ زبان دی، ہاتھ، پاؤں، دل، دماغ، معدہ، جگر اور ان گنت نعمتیں عطا فرمائیں۔ جن میں سے ہر نعمت انمول ہے۔ ساری دنیا حکومت، طاقت سب کچھ دے کر بھی ایسی کوئی نعمت کہیں سے خریدی نہیں جا سکتی۔ پھر ان سب نعمتوں سے عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ایمان مقدر کیا۔ ایسا گھر، ماں باپ، ماحول عطا کیا کہ بغیر کسی محنت، مجاہدے، مشقت اور قربانی کے ایمان کی دولت ملی۔ اگر کسی کافر کے گھر پیدا کر دیتا تو ایمان حاصل کرنے کی توفیق ہوتی۔ یہ کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ اس کا فضل ہے کہ اس نے ایمان عطا فرمایا۔ پھر ایماندار ہونے کے بعد اپنے فضل و کرم سے آپ کو اس کام کے لئے منتخب کیا کہ آپ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علوم کو حاصل کرنے اور اس کے راستے میں اپنی زندگی لگانے کے لئے آمادہ ہوں اور ایسے مراکز میں پہنچے۔ یہ کام جس میں آپ یہاں بحیثیت طالب علم موجود ہیں۔ یہ وہ کام ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار سرکار دو عالم ﷺ کو دنیا میں بھیجا۔ اللہ نے

دنیا والوں کی ہدایت کے لئے دین نازل فرمایا۔ اور اس دین کو پہنچانے کے لئے۔ عمل پیرا کرانے کے لئے عملاً کر کے دکھانے کے لئے آقائے نامدار سرکار دو عالم ﷺ کو آخری نبی بنایا۔ آپ جس دین کے داعی پیغامبر اور عامل بن کر کے دنیا میں تشریف لائے۔ اسی کے حاصل کرنے اور پہنچانے کے لئے آپ یہاں آئے۔ یہ مقام جس کے لئے آپ یہاں ٹریننگ اور علم حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں طالب علم کے طور پر۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کا امین ہونے کا مقام ہے۔ اس لئے اس کی بڑی ذمہ داریاں ہیں یہ وقت جو آپ کو مقدر سے اللہ کے فضل و کرم سے ملا ہے اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اور اس فرصت کو یہ موقع کو سہولتوں کے پیش نظر یا دنیا کو دیکھ کر ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ اگر یہاں آپ آ کر آرام طلبی میں مبتلا ہو جائیں اور مشقت، مجاہدہ، محنت اور خلوص کی منزل سے دور ہو جائیں تو یہ آپ کا ضائع ہو جانا ہے۔ یاد رکھئے طلب کمال کی منزلوں سے آپ گذر رہے ہیں۔ اس وقت اگر آپ نے سستی، تہاون، غفلت اور مقصد کو ضائع کرنے میں گذارا تو اس کی مکافات ساری عمر میں نہیں کر سکتے۔ آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ نے آپ کو اپنے فضل سے بہت ممتاز موقع عطا فرمایا۔ اس کی قدر دانی کیجئے۔ اور اپنے آپ کو اس مقام کا اہل بنایئے جس کے لئے آپ کو موقع ملا ہے۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے سرفراز فرمایا ہے۔ اگر کوئی ایک دو فٹ کی بلندی سے گرے تو معمولی چوٹ آئے گی۔ لیکن اگر کوئی سو فٹ کی بلندی، ہزار دو ہزار فٹ کی بلندی سے گرے تو اس کی ہڈی پسلی سب چور چور ہو جائے گی۔ تو جتنی زیادہ بلندی، درجہ اور موقع حاصل ہو اتنی زیادہ احتیاط اور قدر کی ضرورت ہو گی۔

اللہ نے آپ کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے اس کی قدر کیجئے۔ اور عجب یا پست ہمتی میں مبتلا ہو جائیں گے تو یہ دونوں چیزیں برباد کرنے والی ہیں۔ ان سے آپ کو بچنا چاہئے۔ اور مقصد کو صحیح کرنا چاہئے۔ اور مستقبل کی تیاری سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ نے آپ کو غنیمت موقع دیا ہے۔ کہ حضرت مولانا کی صحبت میں رہنے۔ بیٹھنے۔ فیض اٹھانے اور مستقبل کی تیاری کا موقع دیا ہے۔ ان چیزوں کی قدر کرنی چاہئے اور ہمت، جذبہ، محنت، مجاہدہ، مشقت اختیار کیجئے۔

بقدر الکد تکتسب المعالی
ومن طلب العلی سہر اللیالی

اس لئے اگر ہمت اور جذبہ اور خلوص اور مشقت اور مجاہدہ اور محنت ہو گی تو اللہ تعالیٰ زندگی میں کامیابیاں عطا فرمائیں گے۔ اور اگر پست ہمتی، آرام طلبی، دنیا داری دنیا کا مقصود ہونا اور یہی چیزیں ہوں گی تو یہ سب راستے خسران کے ہیں۔ بربادی کے ہیں۔ ان سے کوئی کسی کو بھلائی نہیں ملی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کو اپنے مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور خلوص وللہیت سے نوازے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین